

آسمان روشن ہے



شرچند

ہمارے حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : آسمان روشن ہے
مصنف : کرشن چندر
کتابت : محمد عارف سہیلانی
سداشات : ۲۰۰۰ء
مطبوعہ : فوٹو انٹریٹ پرنٹرز دہلی

قیمت : 100/-

ISBN 88333-00-2

L. ASMAN KOSHAN HAI (NOVEL)
by
KRISHAN CHANDER

Rs. 100/-

ARAVALI PUBLISHER'S
4, Vijay Market, Raigarh
(Near Bhagya Laxmi Appurment's)
Sector-8, Rohtak, Delhi-110005

آسمان روشن ہے

کرشن چندر

آسمان روشن ہے

(ناول) -

اس ناول کے تمام واقعات کردار اور نام
فرضی ہیں، مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی،
اور اس کے لئے مصنف اور ناشر
بری الذمہ سمجھے جائیں گے۔

اراولی پبلیشرز
۴۔ وے مارکیٹ - رضا پور - نزد سہاگ لکشی پارکس
سیکٹر ۳ روہنی - نئی دہلی ۱۱۰۰۹۵

وہ عجلہ سے چلوں جو کہ کھڑا لے آیا تھا اور مڑنا چاہتا تھا۔ اس طرح کے لئے اس نے کھڑا لے کے سب سے ٹھہرے ہوئے روز میں ایک کاٹھن کر کے پر لے لی۔ سات دن کے لئے۔ سات دن تک وہ کھڑا لے کی خوبصورت دنیا میں رہ کر مرنے لگا۔ وہ اس نے پہلی سے پہلے ہونے ہی سوچ لیا تھا۔ پہلی میں وہ مڑنا چاہتا تھا۔ اپنے تنگ غریب میں عجلہ کے مکان کے سامنے کسی کوئی گاڑی کے تھڑوں کے چٹکے بند گاؤ کے ٹریٹ پر چار کھار سے پانچ میں خوب خوب کر پٹیلے چھوٹی ہوئی موت بھی اتے ہند تھی۔ لہذا اس کی فحاشت ہند طبیعت نے مغربی گھاٹ میں ایک جھینے کی طرح پھینکے ہوئے کھڑا لے ایسے خوبصورت مقام کو اپنی موت کے لئے پسند کر لیا۔ اور اپنے تنگ میں بٹنا روپہ تھا وہ سب کچھ کے کھڑا لے چلا آیا۔ اب اس کے پاس ابھی رقم موجود تھی کہ وہ بڑھیا سے بڑھیا ہوئی سات دن تک جیسی خوبصورت اور مرتضیٰ زندگی بسر کر سکتا تھا۔ ایک خوبصورت فریال کھڑا۔ اس کے بعد وہ پچکے سے ہانے کاوس طرح بہت سی طوائف اپنی تخلیق کے سات دن بعد مرنے لگی۔ مگر سات دنوں کی خوبصورتی جو کیا کوئی کم ہوتی ہے؟ مشہور تباہی کا فائدہ میں کروڑوں برس کے شیخوہ نے تباہی کا مشن دیکھا۔ حتیٰ کہ شرم حیرت میں حیرت و رعب میں مر گیا۔ صرف تباہی سے باقی رہ گئے۔ اسی میں کاویا انجام رہتا ہے۔ لیکن مغربی گھاٹ پر چرب بال پر سونے کے تھپہا تے تھپہا تے کھڑا لے تباہی کے چھنے سے لگی ہوئی کوئی ہر چیز جب اکوں کیوں کے ساتھ دھڑلے مٹا دیتی تھی ہے۔ اس طرح

گاہن ہوتا ہے کہ رات اپنے ملوں بگنشاں لے زمین پر اتر آتی ہے۔ اس ایک لمحے کی رعنائیات خوبصورتی کو چرا چکس نے دیکھا ہے۔ اور ایک لڑکچہ آٹری اندھیرے سے پہلے ہے اور گاہن اہلوں کے بعد۔ اس میں سے ہر شے تباہی سے کھول ہے؟

اس نے سوچ لیا تھا کہ مرنے سے پہلے اس کی زندگی کی جھلکی ہوئی شام اس میں بگنشاں سے صبر ہوگی۔ صرف سات لمحے۔ اس کے بعد اس میں آجائے گا جس کے کھول پر دور دور تک کوئی زندگی نہیں ہے۔

اس نے اس کام کے لئے بڑے خوبصورت پہاڑ کا انتخاب کیا تھا۔ بڑا روز پھاؤ کی چوٹی پر واقع تھا۔ اس کی ٹال ٹالوں والی چھتیں اور ٹھوکی رنگ کی دیواریں دیکھ کر قعد سے جبراستہ ہوتا تھا گریا پیارا کی چوٹی پر کوئی ٹھاپا کھلا ہوا ہے۔ اونچی مگر ذی عادت سے ہٹ کر پہاڑ کی اصلواریں پر خوبصورت کونجیں پہاڑ کی چوٹی کی طرح خراب تھیں۔ اس کی کاٹھن ایک طرف ٹھیلے پر واقع تھیں یہاں سے ٹھہر کر اصلواریں کے برابر سے پہلے تھی تو چکے والی میں مگر نے والی پر لگا رہی کی والی کٹ پٹی جاتی تھی۔ وہی گاڑی کہ اس سے پہلے وہاں کا سلسلہ بند ہوتا تھا تو تباہی کے پرخندا حرام کی چھت چلتی جاتا تھا۔ وہی کی پڑی کھلی میں مغزوں اور آٹھاروں اور کچھ کی گڑھوٹی ہوئی کھی گاہن کی کھی سامنے آتے ہوئے ہزار ادا کی سے کوئی نہ تھی مگر صرف وہی۔ رات کے وقت اپنی کھنکی کے برابر سے وہ صرف آٹھاروں کا آجنگ نہیں کر سکتا تھا۔ صرف گاڑی کے پتھوں کی ٹال بہاں آٹھوں کے چھنے سے ٹھکرانے کو گنج گنج کر دور دور تک پہنک ہانے والی پہاڑ کی بھڑا تان بھیے رات بہت قریب ہے۔ بہت بہت دور ہے۔ اور دس کہیں نہیں ہے۔ اور طاقت کی انھوں کی طرح چلتے ہوئے سنگوں کے سرخ سرخ نشان میں سے دھکی لو کہ طرح جی رہا کر بہت تھی۔ اس نے جیلہ جب تو نہیں ہے تو یہ رات بھی کی پراسرار موقی عظمت دیواروں زندگی کی طرح سمجھا جگہ اور خوفناک ہے۔ بہت کے غیر کوئی زندگی بھی کی زندگی بھی ہو نہیں سکتی۔ اور ج زندگی بھر کا جس دن تک اسے نگہ کرنا ہی اچھا ہے۔ اس لئے جیلہ اچھا ہے کہ مرنے والا

جہازوں کی زندگی کے حلق ایک ایک گھنٹے کی گواہی کر رہا تھا۔ ایک ایک جہاز کو دوسرا
موجود کی شریک پر ہاتھ نہ رکھ سکا تھا۔ اسی لئے وہ بار بار دہرائی دیتے کہ چائے خانوں میں
دیکھا جاتا تھا۔ بہت سے جہازوں سے اس کی دوستی آپ سے تم اور تم سے گلی تک
پہنچ چکی تھی۔ جہازوں کی گلیوں میں ایک بہت اگلیہ صورتی ہوتی ہے جس
پر کسی تو گلیوں کی تمثیلیت اور کسی پر محو کی مبالغہ نیزی کی گواہی دیتا ہے گلی بار یہ گلیاں
نہتے سنتے سے خیال آتا تھا کہ اگر یہ گلیاں تصویروں کی طرح کسی شخص میں دکھائی دے سکیں
تو یہ بہت سے دیر کا شرم سے اچھا منہ چھپاتے پھر یہ اس خود غلطی معلوم ہوں وہ
ان گلیوں کے مصوروں کے سامنے مگر عقل و دانش کی اس دنیا کو کیا کہنے کہ وہ ذہل ایسے
مصوروں کو تو پہنچ جے لیکن اس فن کار جہازوں کو بے نام و نشان چھوڑ دیتی ہے۔ وہاں
تو وہ ایک روز پائے خانے کی ایک میز پر چھا جہازوں کی ایک ٹولی کو ایک جہاز پر
افسانہ بنا رہا تھا کہ اس نے محسوس کیا کہ ایک ٹولی اس کی کرسی کے پیچھے کے کواہر گیا
اس نے پلٹ کے دیکھا تو اس ٹولے چلے گئے پچھلے ہوئے گاؤں والے سارے رنگ
کے آدمی نے جس کے پیچھے پر کہیں کہیں چھپک کے نشان تھے اسے اشارے سے
اپنا افسانہ جاری رکھنے کے لئے کہا۔ چنانچہ وہ فوراً ہی پلٹ کر اپنا افسانہ پھر سے سناتے
میں مصروف ہو گیا۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے محسوس کیا کہ وہ تو ہی ایک کرسی کے کواہر
اس کے قریب بیٹھ گیا ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے محسوس کیا کہ اس کے حلیہ
افسانے میں جہازوں کو نشان لکھ چھپے آبا تھا اب نہیں آ رہا۔ اس کی ہنسی مسکراہٹوں میں
وب گئی۔ مسکراہٹیں ہنسون کے کدروں میں نہایت عجیب تھیں تھوڑی دیر کے بعد جب افسانہ ختم ہوا
ایک ایک کر کے سارے جہازیں وہاں کسک گئے۔ اور وہ ٹولے چھٹے آدمی کے ساتھ کواہر
گیا اور اس نے تڑپے ٹھٹھے سے اس ٹولی کی طرف دیکھا جس نے اس کا مصورت عقل کو
درجہ پر چمکوا تھا۔ شکل و صورت اور لباس اور ہاتھ سے یہ آدمی ایک افسر دکھائی دیتا تھا

اور ایک آئینہ دوسری دنیا کا ہوتا ہے جس کی سطح جہازوں کی دنیا سے الگ ہوتی ہے اور جب گولن و فوٹوں دنیا میں ملتی ہیں تو ان کی گاڑیوں کی پٹری کے جھوٹے چلنے کو گاسی ہوتا ہے۔ اسی نے اس خاص قسم کے کافر و سناٹے مٹاتے مٹاتے عموں کو بڑھا دیا۔ اور اسی نے اب وہ فوٹے سے اس کو بچے آئینہ کی طرف دیکھنا تھا۔

کو بیچے چنگے آدمی نے اپنا تعارف کرانے سے پہلے اس سے پوچھا: کیا آپ شہرہٴ
ناول نگار مسماقی ہیں؟

احقاقِ حق کے لئے زور سے پیش قدمی کرنا : میں اسحاق ہیں کہ چھٹی حق ہیں کہ پہلی حق
ہوں، آپ کو اس سے کیا؟ اس دلیل اور مقدمات کی کیا نہایت تھی؟

کوبلا آدمی خدا خالق ہو کے پیچھے ہٹ گیا۔ چند لمحے خاک و شمس رو کے ہوا۔ مسافر کچھ نہ سمجھا۔ مجھے آپ سے ملنے کا بہت شوق تھا۔ میرا ہم وطنی ہے۔ میں ایں۔ ایں تھا میں سکندر اعظم ہوں۔ میرا جیاز تین روزہ میں یہاں سے چلا جانے والا ہے۔ اس کے جب میں نے آپ کو دیکھا اور کہہ کر کہ میں نے آپ کی تصویریں انباروں میں دیکھی ہیں اس لئے میں نے آپ کو پہچان لیا۔ اب میں آپ سے ملنا چاہتا تھا۔ اس لئے میں یہاں بیٹھ گیا۔ حالانکہ مجھے حاضر کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں ہے مگر میں آپ کو دیکھنے کے لئے بیٹھ گیا۔ سمجھے؟

مقامی ناکہ جیڑا اچھا کرتا تھا۔ کچھ کو کچھ کہتا تھا۔ اسحق کو اس کا بچے بہت پسند آیا۔ وہ سکڑا تھا۔ مقامی بچہ تھے۔ جھکے پھر اس کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کچھ لاکھل شام کو آپ میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ میں اس ناکہ پر۔ میرا آپ کو جیڑا اور سے دکھاؤں گا۔ اور بعد شرب پانی کا گا۔ آپ شرب پیتے ہیں۔ سب لاکھ لکھ پیتے ہیں۔ بچے! نیچے اسحق نے منی کی بات زور سے کر کے اس طرح دہرایا کہ وہ بولنا تھا۔ بھلا

ماہنامہ پاکستان ہونے کے لیے پانچ سو روپے کی رقم جمع کرنے کا مقصد تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے خالق پر گواہی پیش کیا۔ پھر وہ ایک عرصہ تک قلم اٹھائی، اپنی مختلف سطریں جھلکائی۔ تو سب کو لگتا کہ یہ میری راجستھانی ہے۔

”بہت اچھا۔“ اسحاق نے اپنا ہونچا چڑا تے ہوئے اس سے کہا مگر مدانی بہا
اس کا ہونچا چھوٹے دانا تھا۔ وہ اسے دلا۔ ڈیڑھ لڑکچڑکے لگ گیا اور گرم دالوں سے ایک
پاس لے کے اسحاق کے ہاتھ میں دے کر بولا۔ ”کل غلام کے ٹھیکہ چھ رہے ہیں آپ کی بہن
انفاد کر دیں گے۔ جرو مانا۔ میرا ہاں نہیں دیں میں جنوری امریکہ جائیالا ہے مجھے! تم کوئی شراب
پیتے ہو۔ وکی کر ہانڈی؟ میں دونوں لے آؤں گا۔ چارے جہاز پر دو جھن بھل نہیں کیجے
جہاز پر تم سب کچھ کر سکتے ہو۔ اور ہاں یاد آئے۔ لہجہ کا بھی نہیں جی تو لے لے کہیں سے! اساکس!
کوہرے لاؤں گا؟“

• سائبر سائنس کا سماجی نئے ہے پوچھا: کیا تم جانتے ہو؟

[illegible]

اسحاق نے پوچھا: قصداً اپنا نام کیا ہے؟

30/3/2017

• مشرقی رام ملتان کی ایک اور آپ سے پہچان سکتا ہوں کہ وہی اور ہمارے ہی ہے جو نے نہیں کی کیا ضرورت تھی؟

اس لئے کہ اس پارٹی میں دو حلقہ تیرا بھی گھر ہے۔ ملک کی فوجی جواب دہ۔

عورتیں! اسحاق دل میں چلے یا۔ اب تک اس کو خیال تھا کہ وہ ملت لڑکی سے رخصت ہوتے ہی دعوت کے پاس کے پُرنے پُرنے کمرے کے صاحبزادے کی بیوی بن جائے گی۔ لیکن یہ سب تو دوسرے دنوں کا کام ہے۔ اب اس نے شادی اختیار کرنا ہے۔ اس کو جہیز کے اپنی عیب میں ڈال لینا۔ عورتیں! انھیں پیسے والی اور میرا! اب تک اس نے اپنے خاور و سرے اور بچوں کے ناموں میں ہی زندگی بسر کی۔ کل وہ انھیں نئے آنکھ سے دیکھ لے گا۔

جیوٹا کی طرح وہ بھی لڑنے والا ہے۔

بزرگش کی روئے صفا : اسحاق نے اوپر سے ہنستے ہوئے کہا : اکیس سو نوے

ویر کالی کے پریشروں نے مجھے پائے پر بٹایا ہے۔ پھر یقینی سفارت خانے میں مجھے
ہندوستانی مصوری پر ایک تقریر کرنا ہے۔ سات کو فخر میں ایسا ہی ایشیائی کاؤرے تائی میں۔
کچھ نہیں آتا کہیں کہیں جاتی ہو۔

”نہیں۔۔۔ تم کو اور چروا نا ہے کچھ! جرور آنا ہے۔“
”بھائی میرے کو شعل کرو گا، منور کو شعل کرو گا۔“ اسحاق نے جڑی لاپرواہی
سے کہا۔ اور پھر مٹائی سے ٹھٹھٹہ بھڑکھڑایا۔

”دوسرے دن شام کے ساڑھے پانچ بجے ہی وہ ویلاڑی بڑے جبرک پائنٹ پر
موج مچا تھا۔“

اس وقت کا بیچ کے تھوڑے میں دواڑا نکلیں بند کے ہوئے بھی اسحاق بیلے سے
اپنی پہلی ملاقات کو دیکھ سکتا تھا۔ دواڑا مٹائی خوشے پر کھڑے تھے گاگلیں کہیں کے پتوں
کے فیشروں، تیسے ڈسے تاریک مال گوداموں اور دوجی سیکل آبی کرختوں کے معلق پلاٹوں
کے نیچے سے تنگ سی سڑک پر ایک جبرنگ کی گاڑی تیزی سے جہاز کی طرف تڑپتی تھی۔
جہاز کے لیسنے کے قریب آگے وہ گاڑی رنگ کی گاڑی کا پت کھلا اور اس میں سے کیچا
دیکھتے ہیں عورتیں نکلیں اور نہ سنے پر چڑھنے لگیں۔ مشرقی عورت بھی یہ فیصلہ نہیں کر سکتی
کہ وہ شخصوں سے اوپر اپنے جسم کا کوئی حصہ دکھائے یا نہ دکھائے اس کا یہ تذبذب
کمی نہ سنے پر چڑھتے ہوئے قلابا دیدہ ہوا ہے کبھی تو وہ اپنی ساڑھی منہ جاتی ہے اسے
دراسا اپنے ٹخنوں کے اوپر کھینچتی ہے۔ پھر کچھ کھینچ کر گھبراہٹ جاتی ہے اور جلدی سے

ساڑھی نیچے گرا دیتی ہے۔ اس کے میں نہ سنے پر چڑھنا شروع ہوا ہے اور مجبور ہو کر وہ اپنی
ساڑھی دھرا اور پھاٹتی ہے، دینی کوٹ چمکے گھٹت دیتی ہے۔ پھر ٹھٹھک جاتی ہے۔ تب
بھی آپ پھر ساڑھی اٹھا دیتی ہے پھر گرا دیتی ہے۔ ہنستی ہے سکتی ہے، لپاتی ہے شرم
سے لال ہوئی جاتی ہے۔ اس کی کچھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا کرے۔ اسحاق کو یہ منظر سب سے
تھا، عورت کی ایک وقت ہاں اور نہیں والی غلط، نہ سنے پر چڑھتے وقت ہی اس شکر گیر
انڈاز سے بے نقاب ہوتی تھی کہ اسے اظہار کیا تھا اس وقت میں وہ ان تینوں عورتوں
کو زبردست چڑھتے ہوئے وہی حرکات کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا جب وہ عرشے کے قریب
آخری زمینے پہنچیں تو گراؤ کے حادثے پہنچے میں نہاے ہوئے تھے۔ اسحاق اور مٹائی
نے آگے بڑھ کر ہاتھ بڑھا کر انھیں عرشے پر کھینچ لیا۔ اور تینوں عورتیں کھل کر شرم چڑھیں۔
اس ہنس چہ بھ کی کھنکھار میں انھوں نے ہاتھ بڑھا کر انھیں کھینچ لیا۔ اسحاق نے مٹائی سے
پوچھا۔

”مٹائی نے تعریف کرایا۔“

”یہ جیل میں۔“

”تھکنے۔“

”میں نہا نا۔“

جیل عورتوں کا وہی ٹھکانہ ہندوستانی، سماجیاد خراب، عورتوں کی تینوں جہازیں
دنگ۔ پورے چار کی طرح زیبواں عورتوں۔ اسحاق نے سوچا کہ وہ کچھ چیتے کا دروازے کو

گروہ کچھ کھڑا رہی حرا، یہ دعوت ہے عورتوں کی تینوں جہازیں کے کہیں
تینوں عورتوں میں ایک عورتیں پر سڑک پر تھیں بھائی سڑک پر تھیں جیسے وہ تھیں نہیں
کوئی نہ سمجھتی رہی تھیں۔ اس کے سامنے ایک کمری پر مٹائی بٹھا ہوا پانی لی باہر تھیں کہ وہ

شراب نہیں پیتا تھا۔ میں شراب پی کے نہیں شراب پلا کے خوش ہوں تھے و بے باقی فوجیہیں بہت پسند ہے اس نے جڑی خشک سے تین زونوں کا انعام کر کے کیا ہوں۔ بچے و درجہ کو بے باقی کہتا تھا۔ اس کے بعد وہ ایک ایسی چڑی قہید کے بعد کہ اس طرح اس نے شراب کا بندوبست کیا، ایک قصہ سنائے لگا کہ اس طرح وہ ایک بار صحن میں اپنا جہاز چھڑنے چھڑنے نکلی گیا۔ یہ بعد پور قصہ تھا۔ جب یہ قصہ سنا تو اس نے دوسرا قصہ شروع کر دیا۔ کس طرح اس کی فرست ایکسپریز سے لڑائی ہو گئی کیوں ہوئی و کیسے ہوئی و جڑی خشک تھوڑا سا اس پر شفقت آئی۔ ہوا طرگ سے دیکھنے اور پریش کے اٹھا تھا کئی بار اسے تجھے کہ اس کی کو جہاز کی پوری شینڈری سے جوش کے لئے نفرت ہو گئی۔ جنگ میں صحتی بار بار باقی اپنی کس طرح سنبھالتا تھا کہ اس کی معلوم ہو کہ وہ واقعی کوئی بڑا سا کھانی ہو سکتی ہو سکتی تھی کہ بد و کھ کھڑا اپنی رہا۔ اسے اس بچے سے غصہ و نفرت محسوس ہونے لگی اس کا خیال تھا کہ اس کو دم رک جائے گا۔ ایک بار تو اسے اچھوٹا کیا۔ مگر خیریت ہوئی کہ اسے صحتی نے اپنے فوٹے پیر پر بگڑ دی تھی۔ جہاں سے اس کی دماغیں نکلیں اس طرح بچے کو کہا تھا جیسے وہ اوپر کی دنیا سے پہنچ کر نہائی کے مکینوں کو دیکھ رہا ہو۔ اس کے دائیں طرف بستر کے سامنے کھل کوئی تھی جس کے باہر ایک ڈارر کھل کر ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کی بائیں طرف بستر کے سامنے کھل کوئی تھی جس کے باہر بائیں طرف سے ایک آئینہ نظر آتا تھا جس میں وہ اپنے تئیں عورتوں کے کس و کچھ دیکھ سکتا تھا۔ اس میں لٹھارہ نمک تھا۔ ورنہ اب تک وہ فحش سے بچ سکتی ہو گئی ہوتا۔

لوگ کہتے ہیں کہ کومت پہلی نظر میں ہو جاتی ہے مگر میرے بچے تو اسے جیل سے نہیں نکلتے سے محبت ہوئی۔ پہلی نظر میں اس نے شکستہ کو پسند کیا تھا۔ ورنہ وہ ایک اندام سے بعد حمیدہ اور تھیں۔ شکستہ ایسے توں کوں کہ بات کرتی تھی۔ اس بچے نے انار میں نہ کھائی تھی۔ کہیں اس طرح اپنے آپ میں کھو جاتی تھی کہ وہ اسے جڑی ہی مسموم اور پر و نوا معلوم ہوتی۔ چھوڑا پڑا تو اس میں نام نہاد تھا۔ یہ بھلاؤ اس کے سنا نا بار بار ہر شے کی کوشش کرتی تھی۔

صحتی کی بات کو چلت کے کوئی رینا قصہ سنائے کی کوشش کرتی۔ مگر صحتی کہاں کہاں کی کھینے والا تھا۔ وہ اپنی دھن میں بچے پکھا جاتا تھا۔ کوئی ٹوٹو دو گھنٹے ہی میں کین ٹکٹ کے دھن میں سے بھر گیا۔ اور جیل کے ایک جہانی لے کے کہا۔ "تو بار بار چلیں۔ جہاں تو دھنوں سے دم کھینے لگا ہے۔"

پہلو باہر پہلو باہر صحتی نے فرما دیا۔ "بے بی کا دم کھینے لگا۔"

اس کی اپنی اونچی صحت سے کوں کہ بچے آ رہا۔ صحتی کی کین کوں وازہ کھول دیا۔ وہ پانچوں باہر آ گئے۔ فرست انجینئر انجینئر سے جھانک کر دیکھیں کہ وہ کھینے لگا۔ اور دیکھیں کہ معلوم تھا کہ وہ کچھ رہا ہے۔ اس وقت بھی جب وہ کین سے گزر کر بچے کے آہنی جھنگ سے ٹک کر کھڑی ہو گئیں۔ اس وقت بھی انھیں معلوم تھا کہ وہ انھیں گھوڑے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس طرح بار بار اپنی سادھی کو پڑھ سنبھالتیں اور ذرا الگ الگ کر گئے انھیں کہ صحتی کو گمان ہوا کہ ہر صحت ایک کھانچ اپنی گردن کے پیچھے بھی کھتی ہے۔

وہ فرست ایک پر کھنٹے تھے جہاں بچے کا ٹیڑھ کو تارہ ہوا پڑھانے کے لئے جڑت جڑت آہنی تل تھے جن کے اندر گھومتے ہوئے دیکھوں کا دم جو ہم شور مچا رہا تھا۔ صحتی رینا تھا۔ یہ ایک فرست انجینئر نے ایک کین میں گلاؤں میں پھر وازہ کو ایک بچہ وازہ شروع کیا اور سنا نا بھڑا دینا۔ آہنی جھنگ سے اپنی اونچی آڑی کے کھنٹے پکڑا پکڑا کر تال دینے لگی۔ صحتی کو بہت غصہ آیا اس نے اس وقت غصے سے پلے جانے کا فیصلہ کیا۔ مگر کہاں جاسے۔ کین میں تو ابھی تک دھواں تھا۔

اس نے صحتی سے کہا کہ آپ نے ابھی تک جہاز کو باہر ٹیڑھ نہ دیکھا ہوگا۔
"نہیں دیکھا۔"

جیل کے خوشی سے بھرا کے کہا۔ "میں دیکھیں گے۔"

وہ گرجے کی تھوڑی سا دھن میں کھل جواہر گئے آئیں اور گرجے سے۔

”اوند! ہو جانے دو جیلہ تنگ کر بولی، آج ہم یہاں ضرور دیکھیں گے۔“
جیلہ چنچل کی طرح تالی بھا کے کھل کھل کر ہنس پڑی۔ جیلہ کا چہرہ شکستہ اور بھاننا اور بھاننا
سے چھوٹا تھا۔ اس کا جسم بھی دونوں سے زیادہ گارڈز دیکھ کر بھی کسی طرف مائل تھا مگر اس وقت
جیلہ اسحاق کو بہت اچھی معلوم ہوئی۔ اس کا بچوں کی طرح کھل کھل کر ہنس پڑنا اور یہاں نظر کیجئے
پر اسرار کرنا۔

ہائمر روم جو جہاز کے سب سے نیچے ہوتا ہے، اوپر کے جنگلے سے ایک نظر
دیکھنے میں بالکل دھندلے کا تجربہ نامعلوم ہوتا ہے، شدید بھس، گھٹن اور گرمی، جڑی جڑی
سیاہ ڈوم ناخوشنیں اور فرش سے چھت تک تیرے زیرے کو تو تنگ شکلوں والے آہنی
فل، ٹھوڑا سیاہ لباس پہنے ہوئے کولڈ جھونکتے ہوئے خلاص جو آفتی دوسرے بالکل کھلوئے
جیسے معلوم ہو رہے تھے، پڑھتی آہنی جگہ جہاں اسحاق کوڑا تھا، مختلف نگلیوں اور آہنی
کات کے گرد گھومتا ہوا نیچے تک چلا گیا تھا۔

”جہاں تو بہت گرمی ہے۔“ اسحاق نے اندازہ کیا۔

”کھنکھنے لگے گا۔“ بکیت سے کم ہی ہوگی، پلو نیچے چلو۔“

نیچے ہانے کے لئے جگہ بہت کم تھی۔ ایک وقت میں ایک آدمی ہی آسانی سے جنگلے
سے اوپر نیچے گزرتا تھا، اور نیچے گھومتے ہوئے ٹوڑیوں پر تو یہ جگہ اور بھی تنگ ہو
جاتی تھی مگر لڑکیاں نیچے پھلتے ہوئے زینے سے اکیلے اترتے ہوئے گہرا جی تھمیں۔

اور اسحاق نے موتی لہم ملانی کے بارے میں محسوس کر لیا تھا کہ وہ اس لڑکیوں کو کی ہانکنا سکتا ہے
شراب پڑا سکتا ہے، باتیں کرنا سکتا ہے لیکن ہاتھ لگانے سے بدگتا ہے۔ اس وقت بھی وہ جنگلے
پر سب سے نیچے کولڈ لڑکیوں کو ہاتھ کے اشارے سے نیچے اترنے کو کہتا تھا اور ساتھ میں اس
کی نصیحت یہ بھی تھی کہ اترتے وقت ساڑھیوں کو آہنی جنگلے کی سطح سے مس نہ ہونے دیا جائے
ورنہ سیاہ گریننگ ہائے گی۔ اب یہ سب کام ہوتے کیسے ہو؟ لڑکیوں اپنے آپ کو کھینچا لیں اور ساتھ ساتھ
سنبھالیں کہ اونٹنی کے چاروں طرف ہاتھ جنگلے کی سطح سے بچائیں۔ اب اتنے سلسلے کام
اس سے کم دم نہ ہو سکتے تھے۔ ہوتے سکتے تھے، میں اس سے ضرورت جنگلے کے اوپر سے نیچے تک
دوڑتی ہوئی ہاسکتی تھی اور چوبیسے کھلی آہنی تھلی۔ وہ اچھی خاصی ٹھونڈی صحت مند تھیں۔
مگر دونوں کے سامنے اپنی صحت کا ثبوت کیسے کریں؟ بدتمیز ہیں اور ٹوڑیوں کو بھی یہاں چھ
چھیں گنا۔ اس لئے کیسے نیچے اتر جائے۔ کئی منٹ تک کو آہنی جہاز میں وہ ٹوڑیوں کے بارے میں اسحاق نے
سنا ہوا کاتا ہوا سچوئے کہا۔ ”آپ آئیے یہاں سے ساتھ۔“ اور اونٹنی کہہ کے وہ نیچے اترتی اور اس
کے نیچے شکستہ اور جیلہ اور آفریں ملانی جس کا چہرہ اسحاق کو سنبھانا کا ہاتھ چھوڑنے دیکھ کر
لال ہو گیا تھا اور وہ رومال سے اپنا پیرو صاف کر رہا تھا۔ جہاں مونہ تنگ تھے وہاں سے
اسحاق کی تینوں لڑکیوں کی مدد کرنا پڑی اور اس مدد میں اس کے ہاتھ بے اختیار اس کی کمر میں چلے
اور وہاں ہوں جو انہوں نے تینوں لڑکیوں کو جو عجیبی چیزیں پہنے ہوئے تھیں، ایک عجیب طرح کی قرینت کا سامان
اسحاق کے تئیں ہوا۔ یہ احساس تینوں لڑکیوں میں ایک ایک تھا مگر تھا۔ ہوا انھوں میں اب ایک
ایک لڑکی کی جھوک میں دوڑنے لگی اور شہسبزیں جہاں تک اپنا کام نہ کر سکی تو کھم کھم لگتی۔

نیچے اتر کر کولڈ فلوڈ کے قریب جا کر اپنی ساڑھی سنبھالے ہو، بھوکا ہونے کے ٹھوہ کے ایک
خفیہ عمل، اس کی شفاف بے دار سا ڈھس پر کو کے قریب تھیں انھیں کے سیاہ لٹا ہی تھے۔
اسحاق نے ملانی کی نصیحت کی پڑا وہ نہیں کی تھی، اس نے جنگلے کی گرین اور اسحاق کے ہاتھوں کی اپنی
ہوئی تو بھس رنگ لاتی تھی، جیلہ کے چھلنے ہی گہرا شکستہ اور سنبھالنے میں اپنی اپنی ساڑھیوں

کا جائزہ لیا۔ مگر کے قریب انگلیوں کا وہی خمچہ موجود تھا۔ بالکل مکر کے خم کے اوپر۔ اسحاق غائب ہنسا۔ لوگوں نے اسے خوب مستحکم مست کی مگر وہ ہنستا ہی رہا اور ایک بار بھی اس نے معافی نہیں مانگی۔ البتہ ملانی نے بڑی جھجک سے انھیں بتایا کہ کس طرح اس نے نہیں برا کر دھرم میں جانے سے منع کیا تھا۔ پھر اس نے گویا پورے جہاز کی طرف سے جنگل پر لگی ہوئی گرین کے لئے معافی چاہی۔ اور پھر بڑی صدقہ دلی سے گویا اس میں کوئی دھوئے کے لئے وہ ان غواغریں کو برا کر دھرم کی شینڈی اس انداز میں بکھانے لگا کہ انھیں آج ہی سکھانے انھیں بڑے بڑے چھوڑے گا۔ جیل بڑے انہماک سے اس کی گفتگو سنتی رہی۔ البتہ انہما نے ایک جہاز لی لی اور اسحاق کا ہاتھ پکڑ کے لپچھنے لگی۔ وہ کیا ہے؟

”وہ کیا ہے؟“ دراصل ایک جہاز تھا۔ اسحاق کو کوئلے خالے کے ایک طرف لے جانے کا۔ جہاں چند تانبے کی ٹنگیوں کے اوپر جیرو میٹر اور تھرموسٹک قسم کے آلات لگے ہوئے تھے۔ اور فل اور نیل تیلیاں کبھی ٹپکتی اور کبھی ٹم ٹم ہر جاتی تھیں۔

اسحاق نے کہا: ”مجھے کیا معلوم۔ ملانی سے پوچھو۔“
”اوسے وہ تو بڑا بڑے ہے۔ جی تو خواہ تو خواہ نہیں کہہ لی میں جہاں مانگی۔ پھر میں نے کوئی جہاز بھی اندر سے نہ دیکھا تھا۔“

سناٹا کا ہاتھ اسحاق کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن جب شکنتلا بھی وہاں پہنچائی تو سناٹا نے اسحاق کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

شکنتلا نے بڑی خمیدگی سے تانبے کے آلات کی طرف اشارہ کر کے پوچھا: ”یہ کیا ہے؟“

اسحاق نے دلائل شکنتلا کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ ایک جھبکے طرح اظہار بہت شکنتلا اس کے سامنے اس حد قریب کو مڑی تھی، وہ ایک لمحے کے لئے سناٹا کو بھول گیا۔

سب کچھ بھول گیا۔ اپنے ارد گرد کا سارا ماحول بھول گیا۔

شکنتلا نے اسے حیرت دیکھ کر پوچھا سوال دہرایا: ”یہ تھرموسٹک کیا جانتا ہیں؟“
اسحاق نے کہا: ”دیکھئے۔ یہ تھرموسٹک جانتا ہے کہ کپ کے کتنی ٹیمپریچر ہے؟“
”اور یہ؟“ شکنتلا نے مسکراتے ہوئے دوسرے جیرو میٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور پھر اپنی آنکھیں مختلف طور پر اسحاق کی آنکھوں میں ڈال دیں۔ اس طرح کہ ساری دنیا اسے گھومتی ہوئی معلوم ہوئی۔

”یہ؟“ اسحاق نے دوسرے جیرو میٹر کی طرف دیکھ کے بتایا: ”وہ جانتا ہے کہ ابھی اور کتنی آپ بٹلہ سکتی ہیں؟“

”اور یہ دل بقی؟“ شکنتلا نے بالکل مڑ گئی میں پوچھا۔ اس کی سانس اسحاق کے دھاروں کو چھوٹی پل گئی۔

”یہ نظروں کا نقصان ہے۔ جب زیادہ دہنی لیا جاتی ہے۔“
”نظر کیا ہوتا ہے؟“ شکنتلا بالکل اس کے قریب آگئی مگر اسحاق کی کہہ نہ سکا کہ یہ کچھ اور ہے۔ سناٹا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکے پوچھا: ”اور یہ تھرموسٹک جیرو میٹر کیا جانتا ہے؟“
”یہ کہ پرا انگلیوں کے دباؤ کو ظاہر کرتا ہے۔“ اسحاق کی آنکھیں حیرت سے چمک رہی تھیں۔

دونوں ٹھیکیاں کھل کھل کے ہنس پڑیں۔ جیل بھی دھڑکتے دھڑکتے آئی۔ بولی نکلی بات تھی۔ مجھے بھی بتاؤ۔

اسحاق نے کہا: ”کہ میں حضور۔ جو نو اینجیل سے گیس کے دباؤ کے متعلق سوالات کر رہی تھیں۔ اب یہ کیا بتاؤ۔“

ملانی بتاتے لگے۔ گیس کا دباؤ۔ مٹی کے دباؤ سے مختلف ہوتا ہے۔ انگلیوں کا دباؤ۔

جیڑا گیلے ایل و چھانویں ۛ

یوں اسی روز ہم چھوڑ کر وہ لوگ یہ کہیں میں آگئے۔ دعوت لیا۔ وہ مجھے ملک گھسیٹتی رہی۔ لوگوں نے نہیں دیکھی دو چوبیس گھنٹہ میں کراخیز لگا کر ان کے کچے ہوا اسحاق کو سسکا کی بوتلی میں چھوٹائی ختم کر دیا تھا اور پہلے سے زیادہ ہوش میں تھا صرف ملتی پاتی لی لی کر گئے میں آگیا تھا اس کا چہرہ لال تھا اور آنکھوں میں خوشی کا طریقہ پر چمک رہی تھی۔ اور وہ اس طرح بار بار میری طرف دیکھتا تھا جیسے وہ باتو سے آگیا تھا کرا پنے میں چپا لے گا باچا اسے کاٹ کاٹ کر اپنے پیٹ میں بھرے گا۔ ایسی گرگشتی تھی ان گھوہوں میں۔ اور اصل اس کا جہاز میرا کہ اس کی گشتگو سے معلوم ہوا کہ ان روز میں باہر جانے والا تھا اور اب وہ فوراً مجھ کو مانگ چلیا کہ نہ دیکھ سکے گا۔ پتہ نہ کہ نہ دیکھ سکے گا۔ اس کا کمر اسے کھانے جا تھا۔

گیارہ بجے کے قریب وہ تھیں کہ کپڑے باہر لے گیا۔ چند منٹ کے لئے چند منٹ کے بعد ہی فوراً وہ دونوں واپس آ گئے۔ اس کے فوراً بعد ہی سٹائن اپنا کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ بلا ٹیگیا راجی رہے ہیں۔ اس سے زیادہ کتاؤ نہیں ہے۔ جہاں پر ٹھہرنے کا۔ جسے ملے کہ کچھ کرنے کا تار۔ عکرا بیری قریبی شرفیو برگ۔ اسحاق جیانی آپ بے بی کرس کے گھر پہنچا دیا اور آئی ایم ورلڈ ٹی۔ ملے۔ سنے۔ ۹

اسحاق سمجھ گیا۔ اس نے بڑی غمزدہ چٹائی سے جھپٹنے سے مصافحہ کیا۔ دو چٹائی
 لے کر اس سے وہ ایک کروچہ ماہ بعد اسے اپنی اداخت ستوری میں لے کر دو ستوری ترک کر دیا۔

مجلس

میں نے اسے بہت پسند کیا۔

10/16/2014

100

44

— ۳۹۳ —

ہائی بائی ملائی جیسا ۱۱ میلے سے زائد نہیں لیجیوں کہا۔
 کھیتوں کی بنڈنگ کی ساری سیلاؤں کے لئے کچھ اور اس کے سناٹاں کھڑکیوں پر دوڑنے
 لگی۔ کوئین کی فٹوں پہنا ڈھکرائی۔ وہ جھپٹے اور گائے لگیں۔ کچل سیٹ پر اساق
 جیل اور سناٹا کے بیچ میں رہا تھا۔ وہ دونوں کو کہیں اس پر گری پڑتی تھیں۔ جھکنا اس کی
 گود میں نہ تھی تھی۔ یہ سنو کا وزن ملا کے پار پانی میں سے کم نہ ہو گا مگر کبھی غصہ کا
 وزن ہانک سوس نہیں ہوتا مگر کبھی چھوڑ کر گھیر کر ہے وزن ضرور رکھتی ہے جیسا سناٹا
 اصول ہے مگر غصہ کے معاملے میں سناٹا کے بہت سے اصول جواب دے جاتے ہیں۔
 اساق سو چھ لگا۔ شادی اس کی وجہ سے ہو کر غصہ کا سناٹا ہے۔

اسحاق نے شکستہ سے سوال کیا: ”تپ کو لانا اور کیا کام کرتا ہے؟“

حکومتی اس کی گوریں خدا سے اچھل پھر قفس ہو کر اڑ گئی ہوں۔ وہ ٹیڈو گاڑ رہی ہے۔

”خیر، اگر فری بیوی ایک ماور کے لئے کہہ سکتی ہے، اسحاق کے پوچھا۔

خدا کا قول: ”بھئی میں ایک نوہم ہوتا ہوں اگر چاہے تو ایک خاوند رکھ سکتی ہے“

جڑا سے دیو کی عظمت دے اور اس کے غلہ و اکر و کندی کے ٹھہب جائی ہو اور ایک خاوند

کے علاوہ ایک سالک بھی رکھ سکتی ہے، جماعت سماجی مسائل پر بنیائے شکستہ کا مالک
ایک کا نوبل کا مالک بھی ہے۔

جیلڈ نے جسے دیکھا ہے کہا: "اور شکستہ کے پانچ بچے بھی ہیں۔"
یہ لوگ سماجی کو ایک دلچسپ سا لگا، تھوڑی دیر میں وہ پانچوں بچوں کا وزن اور شکستہ
کا وزن بلکہ اس کے خاندان اور اس کے موئے ریشہ کا وزن لگا پتے جسم پر غور کرنے لگا۔
وزن جو پہلے کس نہیں تھا، کیسے یہ لوگ واپس آگیا تھا، اس بات پر اسے غریبی صحت ہوئی۔
ڈرامک رنگ کے ہوا: "بھائیوں تو تم تینوں تھوڑی سی گھٹ کے مچاؤں جیٹھ لڑائی
کیا بھی اچھا ہو اگر کچھ دیر کے لئے تم سیٹ پر نہ تھوڑو اور میری تھوڑی گود میں نہ بیٹھو۔"
"جست۔ جڑے پر تہذیب ہوئی۔ شکستہ بناؤنی ٹھٹھے سے ہوئی۔
مگر جیلڈ اور نہانا جنس پر ہیں۔ سنا ناہولی: "دیکھا پانچ بچوں کا وزن کم
کر رہا ہے۔"

اس پر شکستہ واقعی خفا ہوئی۔ اور موٹر روک کے اگلی سیٹ پر جا بیٹھی۔ اس کے
اٹھتے ہی نہانا سماجی کی گود میں بیٹھ گئی۔

اس پر سماجی نے پوچھا: "اور غصہ کی مادر کہاں ہے؟"
"میرے پاس کوئی مادر نہیں ہے! سہانا جسے فخر سے ہوئی۔ مگر میرے باپ
کے پاس مادر ہے۔"

"اور آپ کا باپ اس وقت کہاں ہے اور کیسے اس نے آپ کو ایک بیٹی کی
گود میں بیٹھنے کا اجازت دے رکھی ہے؟"

"اس نے اجازت تو نہیں دی۔ میں نے خود ہی ماسل کر لی ہے۔ میرا باپ اصل
'بیٹی سے پائیس' میں دو ایک فارم میں رہتا ہے۔ ہمارے فارم میں بھیلوں کے باغ ہیں
اور بڑی کے گھیرت ہیں اور وہاں چاول بھی پیدا ہوتا ہے۔ اگلے دس برس میری شادی میرے

ایک دور کے رشتہ دار سے ہونے والی ہے۔"
"جست۔ ٹک۔"

"جست۔ ٹک۔ زندگی دیکھ رہی ہوں۔"

سماجی کے تھنوں میں ایک بڑا بڑا آئی ہوئی آئی کسی کے بہک بدحواس نے پھر سوگ
کے دیکھا: "بدحواس ہانا کے جسم سے آتی تھی۔ اس نے بڑا شکستہ پیچھا لیا: آپ کو جیل گند کی
بیماری ہے کیا؟"

اب کے سنا ناہولی کی گود سے اچھلی۔ پھر جس بڑا بڑا ہوئی۔ دو نہا ہی بڑا ہوئی: "اس
لئے میں اپنے رشتہ دار سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ مختار
لوگوں میں یہ بڑا بڑا ہوئی ہے۔ تیرے تیرے غصہ میں اس کا علاج نہیں ہے۔ مگر آئی میں
نے بہت سا غصہ لگا یا تھا مگر"

وہ سماجی کی گود سے اٹھ کر سیٹ پر بیٹھ گئی۔

شکستہ مسکائے لگی۔

یہاں تھوڑی دیر کے بعد جیلڈ نے لگی۔

سب کی ہوا: "اسماجی نے صحت سے پوچھا۔

"مجھے ملانی بیٹا یا داتا ہے؟"

"مگر جب تک تم وہاں نہیں جاؤ گے تو میں سے ماسی ہو رہی دکھائی دے گی شہر"

"وہ اور بات ہے۔" جیلڈ نے تشریح کرتے ہوئے کہا: "جست۔ ٹک۔ وہ میرے

سامنے رہتے ہیں۔ مجھے ان سے بڑی گئی آتی رہتی ہے جو میں وہ مجھ سے دور ہو جاتے ہیں،

مجھے وہ یاد آنے لگتے ہیں۔ سچی سچی مثال جیسا بہت اچھے ہیں۔ وہ بڑا اپنی پوری خواہ مجھے

بھیج دیتے ہیں۔"

"وہ تمہارے بھتیجا ہیں؟"

”ہیئت تو نہیں ہی مگر ہاں ہی گئے ہیں۔ وہ دراصل مجھ سے شدید محبت کرتے ہیں۔ مگر انھیں برائت بھی نہیں ہے کہ مجھے ہاتھ لگا سکیں۔“

”خدا یہ ہی تمہارے ہیئت کی نفلی ہے۔“

”نہیں مگر وہ مجھے چھو بھی نہیں تو میں چٹا چڑوں گی۔ ایسی نفرت ہے مجھے اس آدمی سے۔“

”پھر جس سے نفرت ہے اس کے لئے روٹی کیوں ہو؟“

”کیا کروں کچھ کہیں نہیں آتا۔ جب اس آدمی کی یہ غرض محبت دیکھتی ہوں تو رونا آتا ہے۔ جب اس کی بڑی صحت دیکھتی ہوں تو مارے شہی کے دم نہیں روک سکتی۔“

”عجیب صورت ہو۔“ اسحاق نے کہا۔

”ہاں ہوں تو میں“ جمیل اپنے آنسوؤں میں ہنس چکی اور اس کے آنسو آنھوں سے چھٹک کر موتیوں کی طرح اس کے رخساروں پر ٹپک رہے تھے۔

”اسحاق اپنے ریشمی رومال سے بڑی احتیاط سے اس کے رخساروں سے آنسو پونچھنے لگا۔ جیسے وہ موتیوں کے دانے پر ہلکا ہوا ہوا اس کا ہاتھ کا پھینکے لگا۔“

”اتنے میں ڈنگوں کو رت لگایا جہاں جمیل رہتی تھی۔“

”جنگلیوں کو رت میں جمیل کا غلیظ ادا تھا۔ جیسے جمیل ایسی لڑکی کا ہونا چاہئے مگر رہنے والے کے گردا گرد لگا کر کرتا ہے۔ اور کبھی۔“ جتنے وہ لڑکے گردا گرد لگا کر کرتا ہے۔ کبھی مگر اور رہنے والا دونوں ایک دوسرے کے لحاظ سے خدا اور انسانیتیں اور احوال و عیش کرتے ہیں۔ ایسے ماحول میں تو کوئی غرض نظر آتا ہے اور اس میں رہنے والا ایک عجیب و غریب اضطراب کی کیفیت دونوں پر چھائی رہتی۔ لیکن کبھی کبھی یہ دکھیں اس طرح شیر و فکھر ہوتے نظر آتے ہیں کہ جیت ہوتی ہے کہ کبھی کبھی ہے اور کبھی کبھی ہے۔ جمیل میں غلیظیت میں رہتی تھی وہ ایسا مسلم ہوتا تھا کہ جمیل کے جسم کا ایک حصہ ہے یا جمیل جو ہے وہ وہ اس مکان کا ایک فسانہ ہے۔ غلیظیت میں گھستے ہی ایک جھٹکا ہوا ہاتھ نظر آتا

”تھا۔ جس کی کھڑکیوں میں لٹکے ہوئے نگہوں سے اوروں سے اوروں بڑی خوشنکاحیوں سے آنے والے کو گھنٹے تھے۔ برآمدے کا فرش خالی ہے سے ٹوٹا ہوا تھا۔“

”برآمدے کا ایک دروازہ ڈرائنگ روم میں گھلتا تھا تو دوسرا بیڈ روم میں۔ یہی حال ڈرائنگ روم کا تھا۔ اس کا ایک دروازہ بیڈ روم گھلتا تھا تو دوسرا جمیل کی موی کے کمرے میں۔ جہاں نے جمیل کو بچپن سے پالا تھا۔ یہی حال بیڈ روم کا تھا جس کا ایک دروازہ برآمدے میں گھلتا تھا تو دوسرا ڈرائنگ روم میں اور تیسرا کچھ ہاؤس کے برآمدے میں جس کے پچتین دروازے تھے۔ ایک دروازہ کچن میں جاتا تھا دوسرا دروازہ باغ و روم کا تھا۔ تیسرا دروازہ کچھ ہاؤس سے ملازموں یا غلیظ عاشقوں کے داخلے کے لئے تھا۔ مکان کی ہیئت درگاہ سماجی کا اندازہ ہوا کہ جمیل ایک ایسا گھر ہے جس کے ہیئت سے دروازے جیسا قدموں کی چاپ برآمدے میں آتے ہیں ختم ہو جاتی تھی۔ اور اس کے بعد ویز لکھیے

”اچھے بیٹھے پر ہر قسم کے قدموں کی چاپ اور ایسی کی غلاظت جذب کر لیتا تھا۔ ڈرائنگ روم میں دو دروازے پر دے تھے۔ روشنیاں درم درم تھیں۔ یہاں تک کہ ہر ایک لمپ کے شیشے پر بھی روشنی چلی چلی ہوئی تھی تاکہ روشنی اور چمک چمک کے آئے اور میک آپ بیاؤ کو کش معلوم ہو۔ برآمدے میں سامنے جہاں ڈرائنگ روم کا باہر کی دیوار پر ایک صورت کی عیاں تصویر تھی جو غائب ہونے کی بجائے لوہار یا لوہار سے کوئی ٹی تھی۔ ڈرائنگ روم کے اندر بھی اسی طرح کی مصوری کے لوہار میں تھے۔ اسکو ڈرائنگ روم اور ڈرائنگ روم سے کھوئے ہوئے۔ میرے پیارے امریکہ کو گھنٹی دود سے آتا ہے۔ شمار میں ہی کیوں پر، ہاں اور شکار گھر کے خوب خانوں پر۔ جہاں یہ شکار اور لوہار میں جمیل تھے۔ لٹو گروہ کے ان دشمن چھاپا پانی پر جہاں ان میں کوئی کھانڈ کے پیکر میں ادا تھا تاکہ ہے۔ ان برق رفتار جہاں جہاں ہے جو چشم زدوں میں ان کے سامنے کوئی نیک کے کوئے کوئے میں بکھیر دیتے ہیں۔ میرے پیارے امریکہ۔ گندم کی خبری باجیل والے، ابراہام لکھن کے کوئے شش والے، دولت و بخت کی

حق سچی والے امریکہ میں تجویز فرمایا کہ تو میں بندہ وقیم دیتا ہے اور ہوائی آفسے دیتا ہے اور ٹیکنیکل اینڈ دیتا ہے۔ اور سب کچھ دینے کے بعد حق دے دیتا ہے۔ اس پر میری جگہ تیرا لشکر ادا نہیں کرتے۔ وہ کہتے تاشکرے ہیں؟

فرمانگ روم میں گھستے ہی اسحاق کو جی پا پا کر دوسرے پور دھجائے اور وہ فضل فکروانے کے ادا کر دے۔ دھج پور ہر طرف کی امریکی مدد کی طرف اس لے اس شکرانے کو بھی اور صدر میں رکھا اور صحنے میں دھج پور کیا۔ صحنے کے سامنے ایک بڑا دروازہ چڑھا اس پر غصہ تھا اور سہا ہنر فکریں۔ دائیں طرف کے کوئی پر جمید خط لگی۔ اس تیغوں کے بجلی میں ایک بہت بڑا غلام تھا۔ چاروں طرف ایک ریڈیو گرام تھا جس سے طعن لگی ایک ریڈیو رڈوں سے آئے پڑے تھے۔

جمیل نے کوئی نہ جانتے ہی اپنے دونوں ہاتھ چوٹ کی طرف استھانے اور مجھ شخص پہلے لگا کر اس طرف اطمینان کا سانس لیا جیسے قیامت مرتے گئی ہو۔ اور اب ہر طرف کی آسودگی ہو۔ اسحاق اب راحت چاہتے ملا ہی تھا کہ سناٹا آنے اپنے پیچھے سے دیکھ کر ایک فوجی بھول کے سامنے کی تپائی پر رکھ دی اور جھپٹے انداز میں ہائی۔ پائی قلاب شروع ہوتی ہے۔

لگا لگا اور ناچنے لگی۔ اور جب جمیل ناچنے لگی تو سب کچھ ایک سماجی کو معلوم ہو کر یہ معلوم نہیں والی، لیجے پتلے ہوں والی، نیم باز لٹائی آنکھوں والی، اپنے جسم کے خطوط میں کیسے رنگ گھس دلاؤں، دلوں کا اور خطرناک خسی گم کر گئی ہے۔ وہ بہت بھکر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

قصہ کوئی دن کا ہوتا ہے۔ ایسا قصہ میں میں کہانیاں گھڑتا ہوتا ہے کھیت ہرے ہوتے ہیں۔ ماننے پر پچھنے کی افشاں نہیں دیتی ہے۔ اور دقاہ کے ہفتوں میں چا دل کے والے چمکتے ہیں۔ ایسا قصہ میں میں چڑیاں چڑیاں ہیں۔ جھیل کا پانی ڈون ہے۔ اور جھیل کے باؤں میں پانی ہوتی وہ متضاد دوسری کوئی دیکھ کر آفری مدوں کا کچھ لینے کے لئے بائیں پرواز لگاتے ہیں۔ ایسا قصہ میں میں ایک قوم کی تقدیر جاگتی ہے۔ اس کی پوری تاریخ کرشمیں نہیں ہے۔ اس کے تمدن کی ہری ہری شہر دار شاخیں انسان کے دل پر سایہ کرتی ہوتی معلوم ہوتی ہیں۔ اور اس کا دل اس قصہ کی خواب تلے تقدس سے اور اس حرام سے، اور انسانی عقل کے اقرار سے جھک جاتا ہے۔

مگر یہ کس قسم کا قصہ تھا جو اپنی ہر ادا سے کہتا تھا۔ مجھے نیلو، مجھے ایلو، جو اپنے ہر غم سے بھرا تھا۔ میں کتنی میں ہوں؟ مجھے کہا تو۔ جو اپنے ہر خوشی پر کچھ میں بھی کچھ آفتاب تھا۔ آؤ۔ مجھے اپنی بانہوں میں کس نو۔ مجھے مجھوڑاؤ۔ میری بھری ہوئی انگ کرو۔ آؤ۔ آؤ۔ کو تم میرے کہتے ہوں میں تمہاری کتیا ہوں۔

مڑے کی بات تو یہ تھی کہ وہ سب کچھ محسوس کرتے ہوئے بھی اس ناچ میں کھول جاتا تھا۔ اس کے ہر کچھ میں گویا ہوتا تھا۔ اس کے ہر حضور میں کچھ جاتا تھا۔ اس کے تحت اشہور میں بیٹے اور ابا لے لگے۔ پھر اس کے اشہور میں کروڑوں برسوں کا ہانور ہاگا اور لڑکے کی طرف کھلے لگا۔ سماجی کو چند بندہ لٹے لگا۔ جیسے اس کے ہر طرف دیواریں توڑے۔ رہی ہوں۔ اور زمین آسمان پھر کھار ہے ہوں۔ وہ ہاتھیں کھڑکیوں سے

جام بھر دینے لگے۔

جمیل جیتے جیتے کچھ ایک آٹھی۔ اس نے ریڈیو گرام پر رکھ دینا دل کا ایک بکارت

ایٹم مناس ہے۔ درجہ سے خود مصروفی آتی ہے لیکن اس خواہش کو کی بجلی تپ کے نیچے کسی خوشامک
ہیما تک خیال قدرت ہے۔ کچھ بھی جب بندھوٹ جاتے ہیں، جب کوئی ہوا دو کروٹ
لیتا ہے اور اس سوپر کی سطح کے کسی سو راے سے گرتا کو بختا ہوا پہنچتا ہے تو کیسے پہنچا
آجاتے ہیں۔ بہتیاں اہل ہوتی ہیں۔ کھیت چلیس جاتے ہیں۔ شہر کھنڈ ہو جاتے ہیں اور
زندگ اپنی تہذیب کو گو ویا اٹھانے لگتا ہو جاتی ہے۔

اور جب سماقی کو زمین کا خیال آیا، تو اسے انسان کا خیال آیا کیونکہ انسان بھی
دھرتی کی طرح ہے۔ وہ بھی اندر سے کھلتے ہوئے اور سے کی طرح ہے۔ کروڑوں بیوں
سے ترقی کرتے کرتے وہ اس منزل پہنچتا اور آج اس کے فیض نظام احساسات و جذبات اور
جلیات پر ہر تہذیب و تمدن کی اک تہذیب ہے۔ بہت بڑی سی تہذیب ہے یہ بہت مضبوط
بھی نہیں ہے۔ اس میں جا بجا رخنے ہیں اور سوئے ہیں جہاں سے لہو اُبل اُبل کر باہر
آجاتا ہے۔ تو مجھ ہی کہ تہذیب تو انسان کے پاس ہے۔ اسی پر اس نے اپنی زندگی بنائی
ہے۔ ہزاروں سال کی محنت سے۔ تہذیب کی خوبصورتی، تمدن کا مس، سماج کا مشا
نار کی طرح تہذیب و تہذیب پانچوں پرست ایک کر کے بنایا ہے۔ یہ چلی ہی تہذیب انسان کی زندگی کے
لے اس کے ارتقاء کے لئے کس قدر ضروری ہے۔ اس کا سے آتی اندازہ ہوا۔

اس نے گھبرا کے اپنے کانوں کو ہاتھ لگا یا اور خود ہی بولی پڑا۔ نہیں۔ نہیں۔

میرا آج سے وہاں بھی نہیں جاؤں گا

لیکن دوسرے دن وہ پھر وہیں گیا !

اپنے توڑیں کو کریدتے کریدتے اسحاق نے بار بار گوشش کی کہ وہ کسی طرح سے
معلوم کرے کہ وہ جمیل کے پاس دو بارہ کیوں گیا۔ کیا چیز تھی جمیل میں جو اسے کشش کشش
مردوں کی کھینچنے لگی۔ بلکہ کسی طرح سے وہ اس کا تجرہ کر کے۔ لیکن محنت کا تجرہ کس نے کیا ہے
کیوں انسان کو ایک فرشتے یا دیوی سے محبت نہیں ہوتی اور ایک گنہگار سے ہو جاتی ہے
عجبت اوصاف جمیل کے پلندے کا نام نہیں ہے۔ شاہی سے قطع نظر آج کو ایک شخص
و لائق سے کہہ سکتا ہے کہ انھما گنی نہیں تھا۔ اور جیوت کی ایک آنکھ دوسری آنکھ سے ذرا
چھوٹی نہیں تھی۔ کہاں اس سوئی کے ہاتھ گھوڑے نہ تھے اور گھوڑے چنگے ہوئے گاہوں والا اور
بڑی ہی تک والا نہ تھا۔ اور روپ بھی جگ میں گنگنا کے بات نہ کرتی تھی۔ محبت جیوتی تھا
کی ارفع ترین صورت کا نام بھی نہیں ہے۔ تو پھر کیا عقل، کیا انسان کو اپنے محبوب کی عقل
سے محبت ہوتی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو انسان کسی دوسرے انسان سے محبت کرنے کے بجائے
خلفے کی کسی بڑی کتاب سے عشق کر لیتا۔ لیکن ایسا بھی نہ تھا۔ اسحاق کی زندگی میں ایسی
دو کہیں بھی آتی تھیں جہاں کی عقل کو دیکھ کے ان سے شادی کر لینے کو اور ان کی محبت دیکھ کر
لوگوں کی کر لینے کو جی چاہتا تھا۔ جب بات ہے کہ جب عورتیں عقل مند ہوتی ہیں تو انھوں نے
نہیں جوڑیں اور خوبصورت ہوتی ہیں تو عقل مند نہیں ہوتیں۔ اور جب بھی خوبصورت اور عقلمند
بھی ہوتی ہیں تو انھیں آتی ہی اس کے جیوت سے اٹھا کے لے جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس
کی زندگی میں سب عقل اور سب خواہشوں والی عورتیں بھی آتی تھیں تو میں اسے ان
سے محبت کیوں نہ ہوتی ؟

تو محبت میں انسان کی اپنی شخصیت کا کس و کجیت ہے ! اپنی طبیعت اپنے مزاج
اپنے ذوق کی مطابقت ! اور اس نے بڑے بڑے دانشمندیوں سے نہ تھا، جنہوں نے
عقلی محبت تو شاید ایک دو بارہ کی ہوگی لیکن کئی عشق و رہنوں بارہ لیا تھا اور محبت اور

جنس کے موضوعات پر بھی ان کی گفتگو میں بڑھ و اعلیٰ تھیں، لیکن یہ بھی کیا ضروری ہے کہ ان جنس کو اور ایک اپنے ذہن میں ایک پوری لائبریری محفوظ کر لینے کے بعد ہو۔

اور پھر اس کی اور جیل کی طبیعت اور مزاج میں ذوق و فہم کی کوئی ہی مطابقت تھی۔ جیل سے رومان اور جاسوسی ناول میں پسند کرتی تھی اور اساق کو ٹائٹل کے کاوارا پسند نہیں پسند تھا۔ جیل کو بالی وڈ کی ہوائی غلیں پسند تھیں اور وہ لاطینی تہذیب کی نئی غلیوں پسند کرتا تھا۔ جیسا کہ فوق لکھا کہ کچھ ہے پسند تھے اور وہ اسے سفید سا دھجی میں ملوس دیکھنا چاہتا تھا۔ اساق کو شہ سے مزاج پسند تھا اور وہ اسے غلی کا ٹیبلٹ سناتی تھی۔ اساق عورت اور مرد کے تعلقات کو شرم و مہیا کے پردے میں غلوں دیکھنے کا قائل تھا۔ اور جیل کی خواب گاہوں تین طرح کے شکلے کو کبھی ستر رکھے ہوئے تھے۔

پھر کیا انسان جنت میں اپنی ضد تلاش کرتا ہے۔ یہی اگر وہ غیطان ہے تو ایک فرشتے کو چاہتا ہے اور خود ایک سیرت ہے تو ایک اوباش کو پسند کرتا ہے؟ یہ بھی عجیب نہیں ہے کہ کوکر مرد اور عورت ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں۔ وہ تو ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ غیبت نے انھیں بتلایا ہی اس وقت ہے کہ ایک کے ہنر دوسرا ناگلی ہے۔ پھر اس نے ایسے چمپاے میں تو دیکھے تھے جو کوکر ایک ہی سانچے میں ڈھلے تھے ایک ہی مزاج، ایک ہی طبیعت، ایک ہی ذوق رکھتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے ضد و جذبات کرتے تھے پھر؟ آخر جنت ہے کیا؟

اب تک اس نے اس محنت کی مابینت کو جاننے کی اس نے اتنی کوشش کی تھی کہ اگر کسی طرح سے وہ اس محنت کو ختم کر سکے۔ اس کے اہلکار کو الگ الگ کر کے نمونہ اور ایک کی نگاہ میں پرکھ سکے تو شاید وہ اس محنت پر تیار پالنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ انسان کو کسی چیز کی مابینت کا علم ہوتا ہے۔ وہ اگر اس وقت اس پر ایک حالت سے نکلا رہا ہے۔

یہیں بائبل کی سوچی سمجھی کے بعد کچھ اس کی جیل سے بہت اس کی کچھ میں ڈانگی۔ وہ صرف یہ بات نکالتی تھی وہ جیل کو چاہتا ہے اور اس قدر چاہتا ہے کہ اس کے لئے کوکر کوئی پر آمان ہو گیا ہے۔ وہ رہا تو نہیں پاتا اور کوکر اس میں بھی ہائی ڈیٹا میں خود سے مڑتا چاہتا ہے۔ لیکن اب وہ جیل کی یاد میں جیل کی محنت میں اس قدر باہمی ہو گیا ہے کہ اس کے سامنے کوئی دوسرا راستہ ممکن نہیں۔ وہ کچھ کر کر کر نام کرے گا تو کچھ اور برآمدے میں ٹیبلٹ لگا۔ کیوں؟ کیوں؟ آخر کیا کیوں ہے؟ جیل کو خوبصورت ہے۔ لیکن اس سے بڑھ کر خوبصورت وہ کیا ہے؟ تو اس ڈیٹا میں موجود ہیں۔ وہ ایک اچھی خاصہ ہے۔ لیکن اس سے بڑھ کر خاصہ نہیں اس ڈیٹا میں موجود ہیں۔ لیکن وہ اپنے ذہن کو اس میں بڑی پر تیار وہ درنگ نہ پلا سکا۔ جیسے اس کا ذہن آپ ہی آپ اس سے انکسار کرتا گیا۔ اور اس سے کہتا گیا کہ تم جھوٹ کہتے ہو، جیل میں ہی خوبصورت وہ کی اس کو تیار نہیں ہے۔ اس سے بڑھ کر اپنے ولی انسانی تہذیب نے آج تک پیدا نہیں کی۔ جیل میں ہی وہ کی آج سے پہلے بھی اس ڈیٹا میں پیدا ہونے والے پیدا ہو گئے۔ اور یہ بالکل سچ ہے۔ اس ڈیٹا میں جتنے انسان ہیں اتنی ہی محنتیں ہیں اور یہ محنت دوسروں سے انوکھی نزل اور ایک ہے اور پھر بھی پیدا ہو گئے۔ جب نئے انسان پیدا ہوں گے تو وہی محنتیں بھی آئیں گی۔ لیکن میری یہی محنت پھر بھی نہ آئے گی۔

اس نے جیل :۔۔۔ اہ ہاں۔۔۔ صرف جیل!

وہ برآمدے میں ٹیبلٹ لیتا رہ گیا۔ اور کسی کے قدموں کی چاپ لیتے رہا۔ ایک لمحے کے لئے اسے گمان ہوا کہ جیل ملنے سے یہ کچھ بھی مگر یہ تو چکیا رہا تھا وہ جیل کے اور گرد و اطراف کر رہا تھا۔ اساق کو اس وقت بے حد مایوسی ہوئی۔ کیونکہ جب وہ جیل سے جھٹکے کے چلا تھا تو اس نے جیل کو اپنی میں خود پیدا تھا کہ اگر وہ چھ دن کے اندر اس کے پاس روز جیل میں نہ پہنچے تو وہ ڈانگی کرے گا اور جیل کے کچھ کر اس کو باہر پڑے اسے اس دروازے سے باہر کھینکے گا کوشش کی تھی اور اس کے ہاتھ اگر وہ اپنی منہ پرانا ہاتھ

وہ ضرور اسے بچھانے کے لئے روز بول آئے گی۔

مگر یہ تو چکیڈر تھا۔

گواہ جمیل کے آنے کی زیادہ امید نہ تھی۔ مگر ایک امید مویم ہانے لگا ہے ایک دلچسپ علی کی طرح انارکھر اس کے سہانے پہلوں میں گھوم رہی تھی۔ وہ جمیل کی جنبشیں سن سکتا تھا اس کے آؤشی بڑی دلی سینہ لوں کی چاپ مگر دونوں اور دو دوش جوڑ چکی تھیں اور وہ نہ آئی تھی۔ اور آتی کی رات بھی گھنٹہ جاری تھی۔ آخری گھنٹہ کے چل گئی تھی۔ اب یہی سے کوئی گھنٹہ نہ آئے گی جمیل کو لے کر۔ پھر بھی وہ ہانے کیسے اب تک اس کا منتظر ہے !

”جمیل تو نہ آئے گی۔ تو۔۔۔ تو۔۔۔ اندھیرا بالکل نکل کر نہیں ہو پاتا۔“

اسحاق اس وقت بالکل باتوڑا ہو رہا تھا۔ وہ اس وقت ایسی ہی چاہتا تھا جس کی امید کی ایک ذوق بھی نہ ہو۔ ایسا اندھیرا جس میں روشنی کی ایک کرن بھی نہ ہو۔ ایسا سناٹا جس میں آواز کی ایک لہری بھی نہ ہو۔ تاکہ وہ اسحاق سے خود کچی کر سکے۔

اور گو رات بہت گہری تھی اور اندھیرا بہت سیاہ تھا اور سناٹا بہت چھاواڑ تھا، لیکن پھر بھی وہ سب کچھ ایسا تو نہ تھا جیسا اسحاق چاہتا تھا۔ زمین سیاہ تھی اور پستانا یکہ تھے۔ لیکن ایک پہ پستانوں میں چھوٹے چھوٹے گھروں پر کہیں کہیں روشنی لگی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ آسمان سیاہ تھا اور آواز تو بھی کہیں کہیں اس میں تاروں کی فطرتیں نکلی ہوتی تھیں۔ رات خاموش تھی پھر بھی اس کی خاموشی کے چھلے میں کتنی ہی آوازیں آگئی ہوتی تھیں۔ جھینگروں کی آواز۔ پتوں کے سرسرنے کی آواز۔ جھانڈوں کے کسی جھلکی جھونکے کے آواز۔ اور ہر گز رہا جانے کی آواز۔ اور دور کی شاد کی آخری خوشی پر غمی ہوئی بلبل کی آواز۔ اور ہر آواز گویا زندگی کا ایک پتہ دیتی تھی۔

اسحاق اس وقت بلبل کے نچنے کے طرک کی تاب نہ لاسکا۔ اور اپنے کان لپیٹ

کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر کپٹے ہوئے کالج کے اندر لگایا اس نے پاؤں سے ٹھوکر مار کر زور سے دروازہ بند کر دیا اور بیٹو دوم میں ہا کے اپنے بستر پر گر پڑا قرآن سے جمیل یاد آتی، اس کی باتیں، اس کے ہونٹ، اس کا لپیٹ لپیٹ جانا اس کی سختی جمیل بڑی سادہ گوشت تھی۔ اس نے اسے پہلے روز بتا دیا تھا کہ جب تک وہ اس سے محبت کرے گی، صرف یہی کی بھر پور ہے گی۔ لیکن جب تک وہ محبت کرے گی۔ اس کا سے خود پتہ نہ تھا۔ لیکن بے دو دن یا دو ماہ یا دو سال یا ساری زندگی۔ جمیل نے اسے بتا دیا اس رات جس طرح وہ ان تینوں لوگوں کو ٹھوکر کے چٹا لگا تھا اس کی وہ ادا سے بہت بھائی تھی اور وہ اس پر غریبی تھی۔ اور جمیل کا سر سناٹا قافی شدید ہوتا تھا۔ گھنٹہ چھ ماہ میں اسحاق کو اس کا غامض تجربہ ہوا تھا۔ ملانی جیسا اسے بڑا ہوا سے نو سو روپے کیسے تھے۔ اس نے کالے پچینے کی اسے قطعی فکر نہ تھی۔ بڑا ہوا چلا چھ پانچوں میں اسے ٹالس کے لئے بلایا جاتا تھا اسات آٹھ سو وہاں سے بیٹ لیتی تھی۔ اس نے وہ ایک آزاد محبت تھی۔ ایک خواہش اور اس کا دعوت۔ جس کا کوئی ناخود غراہ گل نہ تھا کسی بیٹھکی وہ وہیل نہ تھی اس کی ہنسی اور اس کا باپ اس کے نگراؤں پر پڑے تھے۔ اس نے وہ بھی اسے کچھ کہہ نہ سکتے تھے۔ وہ جو چاہتی تھی کرتی تھی اور اسے کوئی نہ کہنے والا نہ تھا۔ وہ جی بھرا پنے ڈرائنگ روم میں اپنے اسحاق کو باغ دکھا دکھا کر رہتی تھی۔ وہ تقریباً ہر غریبی رکھ دیکھ دیکھنے کے باغ پر مڑھال لیتی اس کا ناغی غریب تھا۔ ایسا ناغی اسحاق نے غریبوں میں دیکھا تھا کبھی بیچ پر اس کا مٹا ہوا نہ ہوا تھا۔ یہ ناغی جمیل کے کسی استاد سے نہ سیکھا تھا۔ شاید یہ ناغی برصغیر کے جسم میں ہوتا ہے مگر وہ ہاتھی نہیں ہے اسے۔ مگر جمیل ہاتھی تھی۔ وہ اپنے جسم کی ہر ادا سے واقف تھی۔ اور اسے استعمال کرنا بھی ہاتھی تھی۔ شاید ہر محبت اپنے جسم سے واقف ہوتی ہے۔ مگر ظرم دھیا کا داس اس کے لئے ایک خواہش اور اس کا سہا ہے۔ حالانکہ وہ ظرم دھیا کے پر سے گرنا بھی بہت کچھ کہہ جاتی ہے۔ محبت بڑی سلیخہ شمار ہوتی ہے۔

مگر جمیل کو یہ خبر پڑی پسند نہ تھی۔ وہ مکمل جسم خفی اور ایسا چٹا ہوا، اکھوں ہوا، لونا ہوا، نانی نازیبا تھی کہ ایک دفعہ تو اسحاق نے یہاں نہ آکے سے ہاں سے کچل کے گھسیٹنا شروع کر دیا تھا۔ اور جمیل روئی جاتی تھی اور کہتی جاتی تھی مجھے مارو۔ مجھے اور مارو۔ مجھے چڑی سے مارا کے میرا بدن لال کر دو۔ وہ کہتی جاتی تھی اور روئی جاتی تھی اور اس کے ہونٹوں سے کف ہماری تھا اور اسحاق نے ہلکے کھلے اس کی بات سن کے اسے ہاں سے گھسیٹنا چھوڑ دیا تھا۔ اور اپنے اس وحشی پن پر حیران ہو کر وہ صوفے میں دھنس گیا تھا۔ یہ عورت اسے کہنے لاکھوں سال پیچھے لے گئی تھی۔ مگر اب بھی عورت اسے اس قدر پسند تھی کہ وہ اس کے لئے مسکنا تھا۔ اس عورت کی ہر بات پر جان دے سکتا تھا۔ اب اس کی ہر چیز اسے اچھی لگتی تھی۔ اس کا غلیظ نانی، اس کے غلیظ بیٹھے، اس کا غلیظ جنس۔ جمیل نے اسے جہنم کا دروازہ دکھایا تھا اور اب وہ وہاں پہنچ چکا تھا۔ جہاں سے سانپوں کی باقی شروع ہوتی ہے اور جہاں پہنچنے کے بعد کوئی مشکل ہی سے طائر آتا ہے۔

پھر اس کے ذہن میں وہ بات آئی جسے وہ ایک مہر سے آتے ہوئے دیکھ رہا تھا کہ اگر جمیل مجبور جسم خفی، تو اسحاق تو مجبور جسم نہ تھا۔ وہ کچھ اور ہی تھا۔ وہ کچھ سوچتا تھا۔ کچھ سمجھتا تھا۔ کچھ کہتا تھا۔ کچھ دوسرے سماجی کام بھی کرنا تھا۔ گو جمیل کی محبت سے اس کے وہ سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔ اس نے جمیل کو خوش کرنے کے لئے جاسوسی ناول لکھنے شروع کر دیئے تھے اور حالانکہ جمیل کو قطعاً غلط فہمی کی ضرورت تھی پھر بھی اس نے جمیل پر بے تحاشہ رو پر بھی قریح کرنا شروع کر دیا تھا۔ اگر ہلکے ایسا بڑا ادیب ایسی باتیں کر سکتا ہے تو میں کیوں نہیں کر سکتا۔ اسحاق نے سوچا اور اپنے دل کو تسلی دے لی۔ اب وہ دو ٹوٹ ڈھونڈ کے غلیظ بیٹھے لڑا اور جمیل کو کشتا لڑا۔ پس پوست کا ڈور اور عریانہ منی کن جہاں سے ڈھیروں پڑھ ڈالیں گے اپنی دانست میں وہ جمیل کا سب سے پیارا عاشق بن گیا۔

لیکن ہزار گزٹ نے پھر بھی وہ اس سطح پر نہ پہنچ سکا جہاں جمیل تھی۔ کبھی کبھی کوئی لگ

اس کے اندر چڑھ گئے اور وہ کڑوا جاتا اور جمیل اس کی اس کمزوری اور بدولی کو فخر محسوس کرتی تھی۔ اور جمیل کا احساس دوسری عورتوں سے مختلف تھا۔ دوسری عورتیں جب محبت کرتی ہیں، تو اسے ایک بھول کی خوشبو محسوس کرنا چاہتے ہیں۔ جمیل اس طرح محبت کرتی تھی جیسے انسان روئی کہتا ہے یا پانی چتا ہے۔ روئی کہانی اور جسم پانی پیا اور جسم اس لئے جب کسی بڑی صورت کی غذا میں کھلا ہوا ہے، تو وہ کیا کرے گا؟ جمیل نے پہلی بار بار سانس نہ ہٹایا دوسری بار پریم ہوئی۔ تیسری بار اس نے فخر غصہ سے اٹھ کر باہر چھٹک دیا۔

گٹ گٹ!

مگر یہ تو ہوئی تصویر ہی۔ عمل میں تو اس سے مختلف طریقے سے ہوا۔ معاملہ کئی دنوں سے جمیل آئی آئی کی نظر آ رہی تھی کبھی تو وہ اپنے سے ہی اٹھ کر روئی کبھی اس کے ساتھ کھانا نہ کھاتی کبھی سہانا نہ جاتی، کبھی اچھے کپڑے نہ پہنتی کبھی رونے لگتی، کبھی آپ ہی آپ ہنسنے لگتی، کبھی سرور کا پہاڑ بنا کے اس سے ٹک کر مے میں سوجاتی، ایک روز جب وہ اس طرح لٹک سو رہی تھی وہ اس کے کمرے میں گھسنا تو اس نے جلدی سے کسی سامنے کو جمیل کے کمرے سے باہر پھٹے محسوس کیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا اس لئے اسحاق غور سے نہ دیکھ سکا۔

اسحاق نے پوچھا: "یہ کون تھا؟"

"موسیٰ خیس۔" آنا کا کہ جمیل نے ٹھہر پیر دیا۔

مگر اسحاق کا کلمہ دور نہ ہوا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا۔ اس گھر میں اتنے روئے ہیں کہ کسی شریف گھر میں نہ ہوں گے پانچ سو ہیں۔ اور جمیل تو ایسی بیداری لڑکی ہے کہ اسے صرف ایسے گھر میں رکھنا چاہئے جس کا صرف ایک دروازہ ہو اور اس پر بھی تھلا چلا ہو۔

اس واقعے کے تین چار روز بعد ایک شام کو جب اسحاق جمیل کے گھر پہنچا تو ڈرائنگ روم میں ایک انتہائی خوش پوش نوجوان اور خوبصورت آدمی ہنس ہنس کر جمیل سے

باتیں کرنے میں مصروف تھا۔ جمیل نے تعارف کرایا۔ یہی منتر شریف، امر کی زبان کے اجروست محنت۔ آپ ہی اسحاق!۔

تھوڑی دیر تک نہیں بہت دیر تک خاموشی رہی۔ دونوں مردوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پکڑ پایا اور گولا، ہاتھ پکڑا اور وزن کا اندازہ کیا۔ اسحاق کو اندازہ ہوا کہ منتر شریف کی عیب جہ سے ہماری ہے بلکہ اس کے بازوؤں کی پھیلناں بھی جہ سے نکل رہی ہیں اور اس کی گردن بھی زیادہ موٹی ہے۔ اس کا دل اندر ہی اندر جھٹکتا لگا کر اس نے اپنے آپ کو ڈھارس دی اور ڈرتے دہے سے صوفے پر ڈٹھا ہوا سگریٹ دہستا رہا۔ اور ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔

اس ذات جمیل ان دونوں کے لئے ناچی۔ اس سے پہلے یہاں کبھی نہ ہوا تھا۔ گھر پر چھ ماہوں گنتے تھے۔ دوست اجاب اس کے ڈرائنگ روم میں کہیں نہ موجود ہوں۔ جمیل صرف اسحاق کے لئے ناچی تھی۔ وہی ہمیشہ اس کی نگاہوں کی اداسی کو مرکز ہوتا تھا۔ آج وہ ان دونوں کے لئے ناچی رہی تھی بلکہ اسحاق کو یہ احساس ہو رہا تھا جیسے وہ اس کے لئے کم اور شریف کے لئے زیادہ ناچی رہی ہے۔ مگر ممکن ہے یہ میرا دماغ ہو۔ اسحاق نے بڑے آج جمیل کے کہا ناچی اپنے ہاتھ سے پکڑا تھا۔ اسے وہ پہلی بات کی محنت کی یاد آئی۔ جب بھی جمیل نے گھبراہٹ سے اس کے لئے کہا ناچنا پڑا تھا۔ کیا پچھانے کی اسے طاقت تھی۔ اس لئے غرضی کا گوشت صاف کرتے ہوئے اس کا ہاتھ ڈھیر ہو گیا تھا۔ آج بھی جمیل نے اپنے ہاتھ سے غرضی پکائی تھی، مگر گوشت پکائی تھی۔ اس بات کی زبان پر اس طبع کا ڈانٹ تھا۔ جب وہ لوگ کھا نا کھا پکے، پان کھا پکے، سگریٹ کے دواک کھل گئے تھے، تو جمیل نے شریف سے کہا۔ آپ ذرا بیڈ روم میں نظریں لے جائیں۔ مجھے اسحاق سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔

شریف ایک عجیب ادا سے ٹسکراتا ہوا اٹھا اور ہائی ہائی کہہ کے بیڈ روم میں

گھس گیا۔

اس کے بعد جمیل نے کہا۔
بگٹ آؤت۔

(۱)

اس کے بعد جتنا جھگڑا ہوا، مار پیٹ ہوئی، اس کی اور شریف کی جالوئی ہوئی، اور پھر یہ ٹوٹنا توڑ دی گئیں یا کھینچیں سے باہر نکلی گئیں۔ وہ سب باتیں اسحاق اس وقت بھول جانا چاہتا تھا۔ وہ انکس کا پس پٹنا تو جمیل کو بھی بھول جاتا۔ مگر جمیل کو وہ اس بے وفائی کے بعد بھی بھول نہ سکتا تھا۔ اس کی ہوا اسے تڑپا رہی تھی جس شخص سے جمیل نے چھ ماہ تک اس سے محبت کی تھی اس نے اس ساری شہت کو حذر ہاں بنالیا تھا اور آخری روز کی نفرت کو اپنے دل سے جھلکا دیا تھا انسان اپنی خود غرضی میں کیا کیا یاد کر لیتا ہے اور کیا کیا جھلکا دیتا ہے اسحاق کا بھی یہی حال تھا۔ اسے جمیل کی ہر غرضت اور یاد تھی اور اس کی کوئی برائی یاد نہ رہی تھی۔ یہی چیز تو محبت محنت کہلاتی ہے۔

دات کے تین بچے اسحاق نے فیصلہ کیا کہ اب سب کچھ ختم ہے۔ وہ ذاتی، ذاتی کی، وہ شریف کے ساتھ ہمیشہ کر رہی ہے۔ اور میں یہاں اس کے انتظار میں گڑا رہا ہوں۔ اب سب ختم ہے۔ نہیں اب کل صبح ہی میں اس جگہ جاؤں گا جیسے پریموں کا آبشار کھینچیں اور وہاں سے کوہکرا پانی ہاں دے دوں گا۔

اس نے بڑے غصہ سے دل سے یہ فیصلہ کیا۔ اور پھر چارو تان کے خوب گہری
نیند سو گیا۔

دوسرے دن صبح اٹھتے ہی دو روزوں کے مغربی جانب ڈھلوانوں پر سے
گورتا ہوا پرپوں کے آتشبار کی طرف چلا۔ اسے راستہ ٹھیک طرف سے معلوم نہ تھا لیکن اس
وقت جہاں پر وہ کھڑا تھا وہاں سے بھی وہ تیز رفتاری کی سطح پر تلے سے پرے پرپوں کے آتشبار
کو دیکھ سکتا تھا جو ترائی کے سب سے اونچے میدان کی ڈھلوانوں سے دور چھٹے اک گہری
کندہ میں جاگرا تھا۔ یہاں سے آتشبار بھی دیرسا ہی نظر آتا تھا۔ اب وہ اسے دیکھتے ہی
دیکھتے راستہ ڈھوڑا کر وہاں پہنچ جاتے گا۔

اوپر چلی اور کچی جھلڑیوں سے گزرتا ہوا ایک تنگ سے راستے پر چڑھا۔ اس
وقت تیزی سے غصہ خاموشی تھی۔ اس کے دل کو بھی جیسے قرار آیا تھا اور اس وقت اس کو دل بھی
بڑے غصہ سے دیکھتا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں معلوم ہوتا تھا۔ ابھی سوچا ہی نہ تھا۔ لیکن وہاں آتا
اس لئے آسمان اس وقت زمیں سے زیادہ روشنی تھا۔ اس کی نیلا بہت میں خبر این تھا
اور پہاڑوں کی مشرقی چوٹیوں کے اُتھنے کا بے گلابی روشنی کی جھلروں سے مزین تھے۔
اور ہوا شبنم کے موتی چھڑکتی ہوئی اس کے ہاتھوں کو لمس کرتی ہوئی جا رہی تھی۔ کتنی عمدہ
صبح ہے! اسحاق نے سوچا۔ ایسی پاکیزہ و طیفی صبح بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ اور
یہ ایک اسے جلیل کا چہرہ یاد آ رہا۔ جب ایک صبح کا فوب کو وہ بھی جیسا ایک فوب سے چمکتے

آٹھا تھا اور جاگ کر اپنے قریب سوئی ہوئی جیل کا چہرہ دیکھنے لگا گیا تھا۔ کھلی کھلی میں صبح
اپنا دم بٹے عیب۔ بے دارا سپید نور لے آئی تھی۔ اور اس روشنی میں اسحاق کو سوئی ہوئی
جیل کا چہرہ ایک صوم کنوارے کی روشنی سے منور نظر آیا۔ گیسر صوفی میں تھا اس چہرے کے
بالوں میں۔ جیسے وہ ایک ایسی لڑکی کا چہرہ ہو جس نے آج تک کوئی مرد نہ دیکھا ہو۔ یا وہ ایک ایسی
صبح ہو جس نے آج تک کوئی صوفی نہ دیکھا ہو۔

اس طرف وہ سوچتا سوچتا آگے بڑھ گیا۔ راستہ تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ دو دیو جہاں اس
کوس میں ملنے کی کوشش کر رہی تھیں ایک جگہ پر راستہ ختم ہو گیا۔ جہاں ایک ایک دوسرے میں
لی گئیں۔ ان جھلڑیوں کے پرے اسے ایک کینڑ خراب نظر آئی۔ یہاں کوئی دیوار دھکی کوئی دیکن
تھا۔ بس ایک ٹوب کڑی تھی۔ وہ جھلڑیوں کو پیچ کر اس خراب تک پہنچا۔ خراب ک موڑ پر
واقع تھی۔ جہاں سے سامنے کو منظر غائب ہو جاتا تھا۔ جب وہ اس خوب کے چھٹے آیا تو
اس نے دیکھا کہ پانی بیسائی دھکی کی کسی گرے کی طرف سے ماحولیت دیکھتی ہوئی خوب تھی۔ جو
ایک تنگ راستہ کو باقی تھی۔ یہ دیکھ کر کچھ ناخوشیہ جھڑیوں کا بنا ہوا ہوگا۔ اس وقت پتھر جگہ
جگہ سے ڈھلک گئے تھے۔ راستے کے قاتلے پر ایک اور چھوٹی سی خراب تھی جس کے آگے
ایک گھلا قبرستان تھا۔ وہ ملیبیوں کو دیکھ کر چمک گیا۔ ملیبی ہیں! جیسے عورتیں گھر نکلتی ہیں
بغیر آٹھا سے بڑھ کر پر تلے جاتا ہوں۔ وہ بھی تو ملے والا تھا۔ قصور سے دونوں میں اس کی
بھی تو خیر نہ تھی۔ اس لئے اسے ان قبروں میں ڈھکی پیلہ لگتی اور وہ نور سے ان
قبروں پر گھمے ہوئے نام نہ نہ لگے۔ "ولیم کارٹیل" غرض اس سال بیسویں بھیک ایک جنگ
میں لڑی ہوا۔ کھٹا سے اس کے مرگ۔ "جان ادیار" غرض اس سال اٹھارہ سال کی دوری
جنگ میں لڑی ہوا۔ کھٹا لے جیتا کے مرگ۔ "فریڈرک سلون" غرض اس سال بیسویں میں مرگوں کے
غلاف لڑتے لڑتے لڑی ہوا۔ کھٹا لے جیتا کے مرگ۔ اس کی بیوی روزا سلون اور دو بچے اپنے
بہار سے باپ کے لئے رحمت کی دعا مانگتے ہیں۔

”لوگو! رحمت، ہوا سے پادری، قابلِ عزت اور ڈھنپ، پہلے ایک اٹھارہ برس، جس سال کے لوگے کو کسی ولیم، جان ڈیوڈ کو اپنے گھر سے اٹھا دو، لکھا شائع کر کے کسی کا رخا لے سنا شہرت نمودار کی گئی تھی سنا ڈیوڈ کے کسی کو گویا سے اٹھا دو، جیسے کھلاڑی شطرنج سے ایک مہرہ اٹھا لیتے ہیں۔ اور پھر اسے رکھ دو، دیوید یوڈیا میں یا افغانستان میں یا سین میں اس کے ہاتھ میں ایک بندوق دیدو اور اسے مر جائے گا کہ کوئی دوسرا نہ ہو۔ مسخ کیا کہ کوئی دوسرا نہ ہو۔ ابھی تو اس کا دودھ بھی اس کے بڑبڑوں سے نہیں چٹا ہے، ابھی تو اس نے بچے کو نہ لیا بھی نہیں کھلا ہے، شاید کسی سے بڑا بھی نہیں کیا ہے، بالکل نیل نہ کرو، ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا، اٹھا دو، اسے اپنی انگلیوں میں اور پھر رکھ دو اسے اسی طرح اور فریق کے میدانوں میں۔ پہاڑیوں پر اور مڑو اور دریاں بہاں لو باہر سے اور تانا ہے اور چٹک ہے۔ ہنٹ سن ہے اور چائے ہے، جہاں روٹی ہے اور عرائش ہے، گندم ہے اور جھوک ہے، برسات ہے اور ایک ٹوٹی ہوئی جھونپڑی ہے، مسخ کیا کہ وہ ان باتوں کو، قابلِ احترام نہ کر کوئی کھٹکے صرف منافع مقدس ہے، صرف کا رخا ڈھنپ ہے، صرف ایک جینس قابلِ پرستش ہے اس لئے بے نظر ہو کے اٹھا دو ان معصوم بچے کو، اور رکھ دو اسے گولیاں کی باتو پر، اور جب وہ مر جائے تو اس کی قبر پر ایک سنگ مہر کی صلیب لگا دو اور باگودا رحمت مقدس باپ کی! کہہ دو کہ رحمت سے ڈری اس دنیا میں اور کوئی چیز نہیں۔“

اسحاق کا خون کھولنے لگا۔ اس نے جیسی مشکل سے اپنے آپ کو ضبط نہ کیا۔ نہیں، نہیں، آئی مجھے ایسی باتیں نہیں سوچنی چاہئیں، آئی جبکہ وہ روز بولنے کی وصلوان سے گزر کر موت کی دلیلیوں میں جا رہا تھا آئی تو ہر چیز ٹھنڈی ہوئی چاہئے، جبر سینہ ملک، بر قاب! تاکہ وہ آرام سے موت کی دلیلیوں میں پھسلتا جائے۔

اس نے وصلوان پر لپٹے لپٹے لوگ جبر لے شروع کئے، تھوڑی دیر میں وہ قزموٹی کھول پر پہنچ گیا، جہاں ایک چھوٹے سے ٹائے کا پانی گویا سوتا ہوا گزر رہا تھا۔

بیل کے پادکھم کا ایک بڑ تھا۔ بڑ کے آگے آٹا کپنی کے پکے کے کھوپوں کی قطار ترموڑی کے میدان کو بیچ میں سے قطع کرتی ہوئی چلی گئی تھی۔ بڑ بڑا بلی تھی، دھلی دھلی ہوئی اور خاموش تھی، جتنی کہ وہ آٹا کی تھوڑا سا نہ کھن سکتا تھا، ایسا سنا اس کے دل دماغ پر پڑا ہی تھا۔ وہ بہت دیر تک مسلح ترقی کے کنارے آٹا کو دیکھتا رہا، جو تو بڑو ہزار غلط کی بلندی سے بچے ایک کھڑے میں گر رہا تھا، اس کھڑے کے کسے کے کنارے بیل کی بڑی چلی گئی تھی اور گھومتے ہوئے موڑ پر ایک سرنگ میں داخل ہو جاتی تھی، اس نے عالم نیل میں اپنے آپ کو اس بلندی سے چھٹا لگ کر گویا کوڑا بشار کے پرے بیل کی پٹری پر گر گئے تھے دیکھا، تھوڑی دیر میں، بیل گاڑی آئی اور اس کے جسم کے دو ٹکڑے ہو گئے، اب وہ بیل کی بڑی پر اپنے جسم کے دونوں حصے دیکھ سکتا تھا، سرنگ، دھڑلگ، چھوٹے ہوئے بھی اس کے ذہن میں بھر بھری لگ ذاتی، وہ بالکل نبوت اور سکھ ہو کر بچنے کی غوی قزمو کو دیکھنے لگا اور بولے ہوئے اس کے قدم آگے کو کھینکے لگے۔

یوٹاک ایک روز کے چھٹکے سے کسی نے اسے بازو سے پکڑ کے کھینک لیا، کیا کرتے ہو؟ سنگ نمونائی آواز زور سے چلتی۔

اسحاق نے گھوم کے دیکھا، اس کے سامنے اس کا بازو پکڑے ہوئے ایک انجینی حوت کھڑی تھی، صلیب فام اس نے سلیس ہیں رکھے تھے، اس کی نیلی انگلیوں میں ایک تھپتھپ چمک تھی، گھبراہٹ اور پریشانی۔

اسحاق نے اپنے ماتھے پر ہاتھ پیرتے ہوئے کہا، کچھ نہیں، کچھ نہیں، انجینی پکڑا گیا تھا۔

وہ نہیں، اس طرح کچھ دیکھنا چڑا خطرناک ہوتا ہے۔ بعض اوقات انسان۔۔۔

”بعض اوقات انسان۔۔۔ اسحاق چپ ہو گیا۔“

وہ اس کا بازو تھامے ملتی بڑی آہستہ سر پرے کہم کے بیڑ کے نیچے ہا کے
اس نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ بولی۔ "کیا اب تم ٹھیک ہو؟"

اسحاق نیچے زمین پر بیٹھ گیا۔ اس کی انگلیں کانپ رہی تھیں۔ اور نیچے گھاس کے
جرسے خوشے ٹاپے کی طرف دیر تھے۔ اس نے سکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:
"اب میں بالکل ٹھیک ہوں؟"

اپنی عورت کے اپنی مضبوط چھڑی کا اوپر کا ہک کھولا۔ اب چھڑی کے اوپر ایک
آرام دہ سمیٹ بیٹھی۔ اس نے چھڑی کو زمین پر گھار دیا۔ اور اپنی سمیٹ پر چھٹی۔ اسحاق زمین
پر بیٹھا تھا۔ اپنی عورت نے اسحاق سے پوچھا۔ "اس ٹیلے پر چڑھو گے؟"

ترموڑی کے میدان کے وسط میں ایک اونچا ٹیلہ تھا۔ جب بادل جھک کر آتے
تھے تو اوپر معلوم ہوتا تھا گویا وہ ٹیلہ آسمان کو چھو رہا ہے۔ وہ اپنی عورت اس ٹیلے کی طرف
اشارہ کر رہی تھی۔

اسحاق نے کہا۔ "ابھی نہیں تھوڑی دیر میں۔"

اپنی عورت نے ڈاک کر پوچھا۔ "کیا تم کو کوئی کرنے آئے تھے؟"

"نہیں تو۔" اسحاق زور سے چلایا۔ "میں تو۔۔۔ میں تو ابشار دیکھنے آیا تھا۔"
وہ اپنی عورت افسردہ لہجے میں بولی۔ "پر میں میری ماں مکی۔ کل مجھے اس کی موت کا
تار ملا۔ جو میرے خاندان کے لیے بھئی سے ہوا تھا۔ میں کل دن ہزاروں رات بھر پریشان
رہی۔ دنیا کی چیزیں مجھے دلچسپ نہ رہی۔ میری ماں۔۔۔ بہت اچھی تھی۔ بہن اچھی ہوتی
تھی۔"

"مجھے معلوم نہیں۔" اسحاق نے جواب دیا۔ "میں بہت چھڑا تھا صاحب میرے ماں
باپ دونوں مر گئے۔ میں ایک یتیم خانے کے کھانا ہوں۔ میرا خود ہی اپنی ماں ہوں۔ خود ہی اپنا
باپ۔ خود ہی اپنا رشتہ دار۔ خون کا رشتہ کیا ہوتا ہے، یہ تو مجھے معلوم نہیں۔ باپ بہن کا رشتہ

مجھے معلوم ہے۔ اور یہ رشتہ بڑا لطیف ہوتا ہے۔ یہ یاد آ۔"

وہ چپ ہو گیا۔ اور اپنی عورت کے بازو کو دیکھنے لگا جس پر ایک سیاہ پٹی بندھی تھی۔

"خاندان کی ماں بہت اچھی تھی نا۔" اسحاق نے پوچھا۔ "ماں کیا ہوتی ہے۔ کیا وہ
نہو۔ سے بھی زیادہ پیار کرتی ہے؟ کیا وہ کبھی گٹ آؤٹ نہیں کرتی؟"

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا پیرو پیٹا دیا۔ "نہو وہ اپنی عورت اس کے آنسو
نہو دیکھ سکے۔ اس کا سارا جسم تیز ہوا دونوں میں لڑکھاتے ہوئے چٹنے کی طرح کانپ رہا تھا۔
پھر اس سے ربا نہ گیا۔ اس نے اپنی گردن زمین پر رکھ دی اور صحت صحت کر رونے لگا۔
اپنی عورت کے اسے ملحق ڈھارس نہ دی۔ وہ اسے افسردہ لگا ہوں سے نکلتی رہی
اور کہتی رہی۔"

"میرا نام ایسا ہے۔ میں جس میں میرا خاندان ایک یہودی ہے۔ جنگ سے
پہلے ہم لوگ کیسے جنگ میں رہتے تھے، جہاں ایک مذہبی ہے جس کا نام ایسا ہے۔ اسی
مذہب سے مجھے یہ نام ملا ہے۔ جنگ سے پہلے ہم لوگ بہت خوش تھے۔ میرے خاندان کا
ایک چھوٹی سی مل تھی جہاں ہم بچوں کے کھانے پانے کے لیے تیار کرتے تھے۔ ہم لوگ بہت
خوش تھے۔ میرا خاندان اور میری بڑھی اسی سال میں۔ میری جنگ شروع ہو گئی اور ہر گھنٹہ میرا
خاندان یہودی تھا۔ اس نے ہمیں برقی سے بھانپا چلا کر میری ماں وہیں رہ گئی۔ مجھے بھانپتے
بڑی مشکلوں سے ہم لوگ بچ رہے تھے۔ لیکن ایک دن نازی وہاں بھی آچکے اور ہمیں فرانسیس
سے بھانپ چلا۔ پھر میرے خاندان کے سوا کچھ نہ رہ گیا۔ انکی ٹیلیس اٹھی ہو گئی ہیں اور اگر
بچ رہے والے نہ ہوتے تو ابھی اور اتنی ٹیلیس اٹھی ہو جائیں گی کہ کوئی تہذیب نہ بچ سکے گی۔
اس لیے ہم لوگ بھائی چلے آئے کیونکہ تم یہی سب کچھ اپنی طرف سے اور ناداری کے باوجود ابھی
تک زندگی سنبھال رہے ہو۔ تمہارے چہرہ پر غم کے باوجود ایک عجیب طرح کی ملازمت
ہے اور زندگی کے لیے ایک کھداس ہنر چاہتا ہے۔ ہم یہاں ٹھیکہ کام سے ہیں۔ بہن کی ماں

آؤاب نہیں ہے مگر میرے خاوند نے کوئیز روڈ پر بچوں کے کچروں کی سلاخی کی ایک دوکان کھول لی ہے۔ وہ کچرے ڈیزائن کرتا ہے، دیکھتی ہوئی ہوں اب ہم لوگ محض درزی ہیں، مگر بہت خوش ہیں، میرے کوئی بچے نہیں ہے۔ لیکن میرے پاس پانچ خواہشات ہیں، پہلی یہ کہ جب تم میرے گھر آؤ گے میں تمہیں دکھائوں گی۔

دو رنگ وہاں ملتا ہوا تھا، اور اسحاق منتہربا۔ اپنی آہوں اور آنسوؤں کے درمیان منتہربا۔ آہستہ آہستہ اس کی آہیں وہی گئیں آہستہ آہستہ اس کے آنسو بہتے گئے کچھ عرصے کے بعد اس نے زمین سے اپنی گردن اٹھائی، وہاں سے پٹنے چہرے کو سنا کیا اور اس کی طرف دیکھ کر غریب آئینہ بچوں سے منکرانے لگا۔

ایسا لے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ بولی: آؤاب باہر چلیں۔ اسحاق اٹھا لیکن اٹھتے اٹھتے بے اختیار اس کے ہاتھ اس جگہ پر چر گئے جہاں اس نے گردن ٹھکراتی تھی۔ جہاں وہ دروازہ تھا لیکن وہاں کچھ نہ تھا۔ زمین سارے آنسوؤں کا جنب کر چکی ہے۔

ایسا نے آہستہ سے کہا: اگلی بار میں یہاں چر پھول کھلیں گے۔ پھر کوئی راہ ملتی ہو سکتی ہوگی، انھیں اٹھا کر اپنے ہاں میں لگے گی، کھیتوں سے کام کر کے آتی ہوں کوئی ہاں اپنے بچے کا سامان میں پھولوں سے سروے گی اور ہر جگہ کی ہشتی ہوں انھوں سے کوئی نہ بڑبچاں سکے گا کہ یہاں پر ایک عاشق کی انھیں روٹی نہیں۔ اسی بیماری ہے یہ زندگی؟ دوسرے دن اسحاق اور ایسا ڈاکٹر کو کس نوزاد کو دیکھنے کے لئے روانہ ہوئے ڈاکٹر کو کس نوزاد کو کھانے کی آس پاس کی پیادوں کی چڑیوں میں سب سے زیادہ جلد تھو اور یہاں چھٹے سے دیکھنے میں انھیں کسی کیس کے پر کوٹ پر سے کہ تیر بھی ایک کی طرف نظر پڑی تھی۔ اسحاق کو کھانا لے کر بار کچھ تھا لیکن وہ ڈاکٹر کو کس نوزاد کی تک نہ پڑھا تھا، اس لئے اسے راستہ بھی معلوم نہ تھا۔

ایسا نے پوچھا: تم کھانا لے گئی بار آئے، لیکن ڈاکٹر کو کس نوزاد پر کچھ نہیں گئے؟
”نہیں۔“

”وہ سانس لے کر پہاڑی پر اٹھا ہوا ہی مٹن دیکھا؟“

”نہیں۔“

”اس آگے نہیں ہوتی پہاڑی کی کچ بچی سے ایک آنا عہدہ آہستہ نظر آتا ہے جو ایک گہری میں جاگتا ہے، مگر یہاں سے نہیں دکھائی دیتا۔ تم نے اسے دیکھا ہوگا؟“
”نہیں۔“

کھنڈ اور لوہا دار کے کچ میں جو ندی بہتی ہے، وہاں گاہی نہیں ڈھلوانوں کی سکتا سے گزرتی ہے، تم نے اس کی گڑ گڑاؤ کو کھانا لے سے لوناو لے تک تو دیکھا ہوگا؟ کچ میں بڑے تو جھوٹے غر بار بھی آتے ہیں۔“

”نہیں۔“

”یہاں سے چند میل کے فاصلے پر لوناو لے کی پہاڑیوں کے عقب میں جو لوناو سٹ ایٹل ہے، جہاں دو دروازے ہیں، ایک بھی گھر نہیں ہے، اور کوئی شاک بھی نہیں ہے، تم نے اسے تو دیکھا ہوگا؟“

”نہیں۔“

ایسا پلٹے پلٹے کر گئی، اس نے اپنا سوتا زور سے زمین میں گاڑ دیا۔ اسحاق کی طرف چند لمبے نرمی حیرت اور غصے سے دیکھی، یہی کہ بولی: ”اچھا تمہارے پرگ سے یہ چند سو لٹ اور پیر پڑھوئی ہی ہیں ہے جہاں آنا کیل کیل کا ایک چوڑا سا کوفٹا بھی ہے، جو یہاں سے درتوں کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتا۔ تم نے اسے تو دیکھا ہوگا؟“

”نہیں۔“

”اور اس سے چند کوئٹ اور لوہے کی ایک تو جھوٹ پہاڑی تھی۔“

اسحاق نے اس کی بات کاٹ کر کہا: ”وکیلیم کچھ بھی ہو کہ میں نہیں گھٹا ہوں کہ تم مجھے کیا کھانا پانا بھیجو۔ جو کہہ رہی ہو وہ بالکل ٹھیک ہے میں ان جگہوں میں سے کہیں بھی نہیں گیا۔ میں یہاں کی بارگیا اینگین دوستوں کے ساتھ آیا۔ ہم لوگ بندکوں میں بیٹھے شراب پیتے بہتے بیٹھ گیسے رہے اور رات گھینٹے رہے۔ شام کو بہت ہوا تو ہوش سے بچے اتر کر بازار میں چل قدم کر آتے تھے اور وہاں اگر پھر شراب پیتے لگ جاتے تھے۔ کھٹلے میں بیشتر بڑے ستانی یہاں پہنچ کر تھے قرب:۔“

ایسا بولی: ”پہلا ہی مشامات کے لئے تم لوگوں کا نظریہ بہت ہی ٹھیک ہے۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی کہ جب درگاہی غلاموں کی بھی چڑی ہو تو کسی پتے آپ کو ایک کمرے میں بند کر کے شراب کیسے پی سکتا ہے:۔“

اسحاق چپ ہو گیا اور آگے چلنے لگا۔

روز ہونے سے چند منوٹ اوپر جا کر انھوں نے وہ چھٹی ہی جھیل دیکھی جس کا پانی رک کر بندھ بانٹا گیا تھا۔ اسی صبح ٹھکانہ تھا۔ اس لئے جھیل کا پانی اگر باہر نکلتا دیتا تھا۔ تین طرف درختوں کا گھیرا سایہ تھا۔ چاقی طرف بندھ تھا۔

اسحاق نے کہا: ”یہاں پر دیکھتے ہو کہ یہاں؟“

ایسا نے مان لیا اور چپ چاپ آگے چلنے لگی۔ چند منوٹ اور پھر جا کے وہ دونوں ایک پہاڑی گھر نے کے کنارے پہنچی گئے۔ جہاں کے راستے میں چڑھا تھا۔ چھتے پر جنگلی انگری کی شاخیں سایہ کئے ہوئے تھیں۔ چھتے کے ارد گرد گھاتوں پر فور و فور نوچنگ پھروں کے تختے کھلے ہوئے تھے۔

ایسا کی نیچا آنکھیں مست سے نہہنے لگیں۔ اس نے اپنے ماتھے اور شامروں سے پسینہ پونچھا اور پھر اسحاق کی طرف بڑے فحاشانہ انداز میں دیکھنے لگی۔ گویا کہ یہی ہو، وکیلیم، تم اگر میرے ساتھ نہ آتے تو اب اس دن تک سکتے تھے۔

اسحاق نے جو اس طرح کی کہتا پتے تختے چھٹا گئے اور بولا: ”ہو نہ ہو یہی ہی کیا ہے؟ گھاتی کی زمین میں چند سو اٹھوں سے پانی زوردار سطح زمین کے اوپر اٹھ گیا اور یہ سب بات اس پاس چند جھٹاں پاس اور پھیل ہیں۔ پس اور کیا ہے؟“

ایسا جو پھر بٹھنے سے اٹھ بیٹھا: ”اس کا مفہ کچھ کہنے کے لئے کھلا۔ اس میں نہ لڑکے بچے کے چھتے سے کھانا سا ہوا اور کسی کے گھاس پر دوڑنے کی آواز آئی۔ اسحاق اور ایسا دونوں چ کھٹے ہو گئے۔ دن دہاتے تو ان پیدا ہونے پر کوئی جنگلی جانور آئے کی جنت نہیں کہ یہ کون جانور تھا۔ اسحاق اور ایسا نے احتیاط سے گھم کر چھتے کے اوپر کی گھاتی پر آگے دیکھ کر دیکھا۔ گھاتی پر دوڑتے ہوئے دو جانور چلے جا رہے تھے۔ ایک مرد، ایک عورت۔ دونوں اپنے اپنے راستوں پر چلے آ رہے تھے۔ ایک اور سیاہ فام اور تقریباً عربی۔ وہ گھاتی کے حق پر دوڑتے دوڑتے کھڑے ہو گئے۔ اسحاق اور ایسا نے تھامے دور۔ اور مڑ کر دیکھنے لگے۔ بچے اور ڈرے ہوئے۔ یہ ایک ان دو جنگلی جانوروں کے چھتے سے سوچیں نکل آیا۔“

اسحاق نے انھیں ہلکے سے اپنے پاس بلایا کہ نہ وہ دیکھ رہا تھا کہ یہاں سے وہ لوگ جہاں گئے تھے وہاں یہ لوگ ایک گڑھا کھود رہے تھے اور گڑھے میں سے ایک جڑ بہت چڑی، بھاری، ذوقی اور بولی نوردار ہو چکی تھی۔ اسحاق نے جھک کر جو کو باخو سے لیا اور اسے ایک جگہ سے پکڑ کر جو لگایا تو جڑ پر سے ایک چٹلا سا نول پیاز کے جھٹکے کا لٹن سے اتر آیا اور اس اندر سے جڑ نہایت پییدہ اور شصتی نکل گئی۔ جس میں کہیں کہیں پر گھلوانی رنگ کی ایک جگہ بھی جھلک تھی۔

”یہ کیا ہے؟“ ایسا نے جھک کر طرف اشارہ کر کے کہا۔

”مجھے تو معلوم نہیں! اسحاق نے جواب دیا۔ اور اس نے پھر کون تقریباً کھٹے جانور کا اسانوں کو بلایا۔ جانور گھاتی کے کنارے آجوں کے دو سیاہ پنوں کی طرح کھڑے تھے۔ اور ڈرے سے دور بچے ہوئے تھے۔ لیکن وہ قریب دھانکے۔ ان میں سے جو عورت تھی وہ پھر

ٹوکس ٹوکی چوٹی پر بیٹھے بیٹھے وہ دیر تک مغربی گھاٹ کے چھیلے ہوئے سلسلہ کو دیکھ رہی تھیں۔
مڑاڑوں، ڈھلوانوں سے لڑائی گھماتے گھماتے میدانوں پر آہٹاتے۔ وہاں سے ایک بگلی نہ بند
تھامہ حرم ہو جاتی تھی جس کے پار سمنڈ چمک رہا تھا۔ اور سمنڈ میں ایک ٹھٹ باؤس کھڑا تھا۔

ایسا لے اپنی دور میں سے سب کچھ دیکھا۔ پھر اسحاق کو دکھایا۔

مادر سے تو بھلی کے قریب ہی ایک ٹھٹ باؤس ہے۔ اسحاق خوش سے چلا۔

وہاں؟ ایسا نے آہستہ سے کہا۔ ابھی وہاں میرا ٹانڈہ رہتا ہے۔ ایسا کی آواز
تک گہرا لہجہ نہ تھا۔

ایسا کا گہرا لہجہ ابھی ایک ٹھٹ کی دل اسحاق کے دل میں گھوم گھوم گیا۔ یہ پہلی بار
جہاں میری — جیل رہتی ہے! گریمری کسی طرف! وہ تو —

اس کا جہم سر سے باؤس تک کا پھٹنے لگا۔ اس کی آنکھیں جھڑپیں۔

ایسا نے اس کا ہاتھ پکڑ کے کہا۔ تو پھر محنت کرو گے! — ہر گز نہیں کہیں نہیں دینا
میں محنت صرف ایک بار ہوتی ہے۔ اسحاق نے ٹھٹے ہوش سے کہا۔

ایک بار بھی ہوتی ہے۔ ایسا نے جیسے خیرید لیجھو میں جواب دیا۔ اور کئی بار بھی
ہوتی ہے۔ اور ہر بار یہ محنت پہلی بار کی طرح تھی یا کینہ اور گریہ ہوتی ہے۔ ہر بار محنت پہلی بار سے
سے بالکل الگ، بالکل نئی، مگر اسی طرح بالکل نئی اور گہرے تعلق کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہ میں
تم سے پہلے تجربے کی بنا پر کہتی ہوں۔ گو گو کہ مذہب کے ٹور سے۔ اخلاق کے ٹور سے یا سامان
کے ٹور سے اس کا اتوار نہیں کرتے مگر یہ بات بالکل سچی اور سچی ہے۔ میں محنتوں کے دو پہلو
ایسے تجربہ اور وہ بیان مادہ وصال تھے جس میں سب دلیک داریوں میں کچھ نہیں گاتا۔ جب ہر چہ کا
پانی مر جاتا ہے اور ہر شاعری پر ہو جاتی ہے۔ جب نظر ایک جہز چنے کے لئے اور سنے
ایک شہر سے لئے کے لئے تو ترقی رہ جاتی ہے۔ اور انسان انھیں دیکھ دیکھ کر چوہنا ہے کہ
اب کچھ نہ ہوگا۔ مگر پھر یہ اسحاق ہے۔ پھر اپنے جھٹکتے ہیں، پھر چپٹے اپنے ہیں، وہ لفظ

تکڑک ستر چٹے پھٹے پھٹے پھٹے چلے جاتے ہیں۔ ڈاڑھی تو اسحاق کی گڑس دنیا میں بیسار ایک ہی
بار آتی، اگر شارع پھر بھی وہیں نہ ہی نکلی، اگر گہرے دھم میں منہ نہ ہو سکتے، تو یہ کس قدر شوق تھا
میں سب گھستا ہوں۔ مگر کیا کروں، میں شاید اپنی مرضی کا ملک نہیں رہا کوئی لمحہ

سے بار بار کہتا ہے، انھوں نے سب کچھ ختم ہے، ناخدا اور اس چوٹی سے چھٹا لگے تھے۔
ابھی اچھی تھلے قریب بیٹھا ہوا میں سوچ رہا تھا کہ یہاں سے صرف دس قدم پر موت ہے
موت جسے لوگ اس قدر شگ کھینچتے ہیں۔ وہ اصل کس قدر آسان ہے۔ اس چوٹی پر کہیں بھی،
کسی طرف بھی میں دس قدم آنکھیں بند کر کے چلوں، مجھے موت آجائے گی، تو یہ قدم پر چوٹی ختم
ہو جائے گی، دسویں قدم پر — موت! —

ایسا گھبرا کے بولی۔ تم نے اسحق ہو۔ آؤ۔ واپس چلیں۔ میں قصیں خواہ خواہ اس
بہاؤ کی چوٹی پر آؤں۔

اسحاق نے کہا۔ نہیں ابھی دو دو تک ٹو کوئی خطرو نہیں ہے میں نے اپنے تپ
سے چھ دن تک کے لئے دھڑلے کا وعدہ کیا تھا پارلر میں لگے۔
ایسا اور وہ دونوں چپ چاپ چوٹی سے چھٹے اترنے لگے۔

ایسا کا چہرہ بادلوں دیکھ کر اسحاق کو مطلقاً غائب ہو کر اس کی ہر طرف سے
جب ایسا نے اسے اپنی غریبائی تو وہ حیرت میں آ گیا۔ ایسا روز بول میں نہ غصہ ہی
وہ باتار کے نزدیک ہوئی شعلہ میں غصہ ہی تھی۔ تو کس ناز سے واپس آ کے وہ لچک لکے
کے لئے اپنے ہوش بھلی گئی، اسحاق نے اسے دیکھ لیا۔ مگر وہ دیکھ کہنے لگی، کچی کھنڈ
میں اپنے خاوند کو خطا کھوں گی، اسے اپنی آواز کی تانچہ تو اس کی وقت کی اطلاع دو گئی
اس کے بعد ڈاڑھا سو گئی پھر شام کو ہم دونوں کسی کے کنارے کھائے جاتے تھے

میں ملائی بند ہوا ہے، اپنے دھندے کا کچھ پتہ ہی نہیں چلنا۔
 تو اس لئے تم پاتے ہو کہ لگاؤ کہیں نہ ہو تو پاکستان اور ہندوستان میں جنگ
 ہو جائے۔ جنگ میں شاید تم پہلے روزی بھرتی ہو جاؤ گے؟
 چنگیز ہنسنا، ہلانا۔ تم سارا لڑاکو لگ رہے ہو، تم سب کا کام ہے اس کے ساتھ برسرِ کار
 بڑھا ہے۔
 "موتھارا دینا تو ہو گا کوئی؟"

"ہمارے تین بیٹے ہیں، مگر تینوں ہمارے ساتھ کام کرتا ہے، لڑنا لڑا دھندا
 نہیں ہے، ہم شہا ہی نہیں ہے۔"

"میرے کئی بات ہے؟ اسحاق نے کہا: "بولک چنگیز کی بات اس قدر خدشہ سے
 کہتے ہیں وہ تو کبھی نہیں لڑتے، وہ تو کبھی بھرتی نہیں ہوتے، کبھی مزدق نہیں کھوتے، کبھی
 گولی نہیں کھاتے اور جب جنگ تم ہو جاتی ہے تو انھیں پہلے سے ڈراٹھیک پہلے سے ڈرا
 عہدہ پہلے سے ٹہری وزارت سوپ دی جاتی ہے کیوں اس کو نیا میں صرف قبروں کی کفرت
 ہے، اس لوگوں کی نہیں؟ کیوں؟ مجھے بتاؤ نا چنگیز؟"

بھیسریا نے بات کا سرخ پھٹنے کے لئے کہا: "سوپ ٹھنڈا ہو رہا ہے، اور پھر
 میں تم کو اپنا نام بول چکا ہوں، میرا نام بھیسریا ہے، ا بھیسریا ہے؟ چت بکرا نہیں؟"
 "چت بکرا نہیں، چت بکرا؟ اسحاق اسے کھانے لگا۔
 "چت بکرا کا کیا ہوتا ہے؟"

"جیت عہدہ نام ہے سیڑھ، خاص کر خضار سے لئے تو بالکل موزوں ہے۔
 بہت ہی دینا اور عہدہ نام ہے، اپنی بیوی سے کہو وہ تمہیں اسی نام سے پکار کر سنے؟
 "میرے گاڑی کر لگی ہے، بھیسریا نے بہت دیر عہدہ جو کر کہا، مرقم نے بھی
 محبت کی ہے؟" اسحاق نے پوچھا۔ "سیڑھ؟"

چنگیز سوپ پینے پینے ہنسنا، اس کی نچ لے کی ہی مٹھیں بھرتی لگیں۔ ہنسی کے
 ساتھ سوپ کا فوراس کے کپڑوں پر بکھریا۔

چنگیز نے بڑی تنگی سے کہا: "مارے دہریہ میں محبت کرنے کا رواج نہیں
 ہے، اس کو بہت بُرا سمجھا جاتا ہے، تم سارا دینا لوگ جب ٹیوٹا محبت کی بات کریں گا، ام
 کو بونٹ کے پرو پڑا نہ لے، ہلا اور مارا سے بونٹ میں ایک ڈکڑ تین پاروں سے کے ٹھہرا
 ہے۔ ام نے کہا ام ایک دن تم سے بات کریں گا، تم کون سے اکھاڑی کام کرتا ہے؟"

"اکھاڑی نہیں، کتاب لکھتا ہے، بک بک۔"

"کون سا بک، دہریہ کا بک؟"

"دہریہ کا بک نہیں، ناول۔"

"ناول؟ ہم نے کبھی نہیں پڑھا۔"

"تم نے کبھی ناول نہیں پڑھا، کبھی محبت نہیں کہ، اور کبھی شفق میں نہیں دیکھی؟"
 "وہ کیا ہوتی ہے؟"

"جانے دو، بیڑ، کچھ کھاؤ، تم نہیں کھو گے، اسحاق نے ڈی ناؤ ہندی سے کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ تیسرے کوئی پر چنگیز نے پوچھا، تم کوئی سی
 جہان میں کھتے ہو؟"

"لارو میں؟"

"تو تم مسلمان ہو، چنگیز نے ایک تکلیف دہ حیرت سے پوچھا۔

"ہاں؟"

"نہیں؟"

"میری کیا؟" اسحاق نے چنگیز کے ہاتھ سے کہا۔

"کچھ نہیں؟" چنگیز آہستہ سے ہلکا۔

”کچھ آرتے کچھ تو کہو، بتاؤ، صاف صاف بتاؤ کیا بات ہے؟“ اسحاق نے پوچھا۔
 ”صاف صاف کہہ دو، چنگیز پڑا، تم بڑا توندنا لو گے۔“
 ”جیوں؟“ اسحاق نے بڑی الجھنگ سے سر ہلکے کے بعد مگراں کا خون اندر سے کھلنے لگا۔
 ”بات یہ ہے کہ تم سب مسلمان قرار ہو گئے ہو۔“
 تھوڑی دیر تک کمرے میں سناٹا رہا، ایسا چھپکھپکا دھنساؤ اسحاق کو اپنی سانسوں تک لگے جس پر لگتی محسوس ہوئی۔

تھوڑی دیر کے بعد اسحاق نے کہا: ”میں دوسرے مسلمانوں کی بات نہیں کرتا، میں صرف اپنی بات کرتا ہوں، تم ایک کہتے ہو کہ میں، اسحاق، قدار ہوں بالکل، سو غور سے یہی ٹھیکل قرار ہوں۔ قدار اور قدار سے ایسے ان تمام لوگوں کو جو ہندوستان اور پاکستان میں جنگ چاہتے ہیں، اور میں تم کو یہی بتا دوں یہ سچ کہ میں صرف قدار اور قدار سے ایسے لوگوں کا ہی قرار نہیں ہوں، میں تو ہراس آدمی اور ہراس فیمل اور ہراس عقیدے کا قدار ہوں، جو صرف ہندوستان اور پاکستان جنگی دیو کیوں کے درمیان جنگ چاہتا ہے، میں تو قدار ہوں غریب کا اور جنگ کا اور برادری کا، اور قدار ہوں تو لوگوں کے درمیان محبت کا، دھماکا اور پیار کا، میں تو قدار ہوں، یہ سنو، یہی محبت کا اور محبتوں کے پڑا ہوا، اور دشمن ہوں تو لوگوں کی دیوگی کا، محبت کے قاتلوں کا اور قدار سے ایسے منافق اور سوداگروں کا، جو شاک اپنی سچی پر غریب لوگوں کی قربانی پہنچتے پھرتے ہیں۔“

اتنا کہہ کر اسحاق نے اپنے ذہن سے اپنے تیسرے کورس کی بات چنگیز کے نقطہ پر کھینچ ماری کہ وہ سچے کھنڈے تک کر اور وہاں سے پلٹ کر دوبارہ دوزخ پر جا گری، اور اگر کڑھوئے کڑھوئے ہو گئی، سچے کھنڈے اور کھنڈوں تک، دھماکا اور گول سب ٹوہیے میں کڑھوئے ہوئے تھے اور وہاں روٹی کے ٹکڑے اس کی گڈی کی تھوں سے باہر پڑے، مسکوکہ انداز میں دھماکا رہے تھے، مگر ٹاک آواز نہ کی کہا کے جھانکے اندر آئے، مگر

اسحاق اس وقت تک بال سے باہر نکلا تھا، اس نے ٹھنڈے کے اس کو سلا جاتی کا نہ پا، تھا اور اس کو بھی پتا چتا تھا کہ وہ سچے کے ٹھنڈے کے ہوئے تھے کو گھونٹ گھونٹ کر مار ڈالنے ایسا دھنکی سا دھندلے محسوس کر رہا تھا، اس وقت:

تھوڑی دیر کے بعد پنجرا اور پروپا پڑا پڑ پڑ پڑ کے سچے کو لے کر اس کی کالنج میں آئے، فیچر بولا، پروپا پڑ پڑ صاحب آپ سے کچھ بات کرنے ملتا ہے۔“
 اسحاق اس وقت لگا تاں سر گرٹ پہنے پلا ہار رہا تھا، بولا: ”بات کرنے کی ضرورت ہے، میں خود جیٹاں تمام تک ایک کو کو کسی دوسرے پوئل میں ڈھونڈ لوں گا اور یہاں سے چلا جاؤں گا۔“

”کچھ بھی!“ فیچر نے دوپارہ کہا، ”پروپا پڑ صاحب آپ سے بات کرنا چاہتا ہے، دیکھا ضرورت ہے بات کرنے کی!“ اسحاق چلا، ”مجھے معلوم ہوا تھا ہے صاحب میں غلطی کرتا ہوں، میں نے سچے کے مندر پر پڑت چنگیز، یہی کرنے کا مجھے کوئی حق تھا، میں بے حد شرمندہ ہوں، اور سچت میرا مطلب ہے ہوسر یا سچت سے معافی مانگتا ہوں۔“
 اسحاق نے سچے کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے، سچے ہنسنے لگا، چند پوئل پروپا پڑ پڑ اور دو وہ لوگوں اسحاق کے اشارے پر پوئلوں میں دھنسن گئے، سچے نے کہا: ”مجلہ میری تھی، تمہا میں نے ایسی بات کہہ دی جو سب مسلمانوں کو بڑی ہی لگتی، تم کو کیا معلوم تھا، یہ سالہا سلاشر جکا مسلمان ہے۔“

پوئل کا پروپا پڑ پڑ ایک بار سی تھا، ٹوٹا پڑا، بڑے بڑے خرگوش کے سے کان ہاتھ چڑائی میں لگتا ہوا اور اسانی میں ضرورت سے نہ پاؤ دھما اور لگتا میں پچتا پچتا۔
 انتہائی سچے بدورت، دانت، ناک، سر گھٹکتا کرتا تھا، یہاں سے صرف کچھ کا کھانا تھا۔
 اس کی گول گول کچی آنکھیں، بدورت چکی ٹھنڈی تھیں اور کچھ بوٹ کا دیاں کنارہ بدورت ذرا ڈھانسی دیر کے بعد خود بخود ایک طرف کس طرح کھینچ جاتا جیسے کسی نے ضد کے اندر ایک

ڈوری سے اسے باندھ دیا ہوا۔ اسے بار بار چنگ کی طرف کھینچتا رہا۔

”لو لے کر چلی جا“ منیجر نے پرویز کو کہہ کر کہا۔

بروز ہی اسے یونان خریدا گیا۔ ہر فقرے کے ساتھ چنگ میں دو چنگ بار بار کھینچتی تھی۔

اسحاق کو بڑی دلچسپی معلوم ہوئی وہ چنگ۔ وہ اس کی باتیں سنتے سنتے ہی سوچنے لگا یا اب یہ چنگ کب کیلگی، جانے کس غضب کا ماحول لگا رہا ہے اس دور سے کسی نے:

بروز ہی کمر رہے تھے۔ ”اپنی کڑیاں دنگا نہیں ملکتا۔ اور تم ادھر دنگا کرنے آیا کاٹے کو؟“

”میں دنگا کرنے نہیں آیا تھا، پرویز منتر صاحب۔ اب آپ سے کیا عرض کروں۔“

”روح کی بات تو عدالت میں ہوگی، پہلے تم بتاؤ۔ ام نے تمہارا کیا بچھا تھا جو تم نے ادارے ہوٹل کو دکھانا بلایا، ادھر سلا پہلے ہی کچھ منافع نہیں ہوتا، جب سے انگریز

گیا کھڑا لے سے، اوپر سے تم نے آکے ہمارے نوکروں کو روٹھایا؟

”میں نے۔۔۔؟ تمہارے۔۔۔؟ نوکروں کو روٹھایا؟ کیا بات کر رہے ہو۔“

اسحاق کی میرے بڑی ہمارے ہی تھی۔

”تم دھیان سے سنتا۔ ام تم کو سب بتاتا ہے۔ چہوں ادھر بکھار میں جو فوجی پشتہ بدشتا ہے نامور بیکر، وہ ادھر ایک چوڑی سے کر آیا تھا۔“

”چوڑی کیا؟“ اسحاق نے پوچھا۔

”کافور کا ایک پرندہ جھوٹا۔“ منیجر نے اسحاق کو بتایا۔

”وہ ادھر کا گھر سے کر آیا تھا اور ہمارے نوکروں سے سب سے ہی دوست تھا،

کرا کے لے گیا، چوڑی میں کھاتا کھاتی کھی کھی کر رہی تھی اس طرف سے بھی سلا چنگ نہیں ملکتا

لے۔ ام نے اپنے نوکروں کو ڈانٹا۔ تم نے کیوں نہ کی کیا بلوے ایسا ہی بھی کر دیا۔ ام نے سب

کو معاف کر دیا۔ ہوا چھوڑا دھکا نہیں کرنا ملتا۔ نوکر لوگ نے باقاعدہ لکھا یا کون کو۔ پرانی جو چھو کر ہی ہے نا واسطی۔ جوڑے دھوتی ہے، اس نے کانوں کو باقاعدہ نہیں لگا دیا ہوا۔ ام کو بھوکنی ایسا گانہ لے کے گئے گا تو پھر دنگا لگائیں گا۔ ام نے پوچھا کیوں؟ ہونی، کیونکر ہم صورت ہے۔ سلا کوئی اب ہے، ام نے اس کو کھل پائیر کیا؟

”تم نے اسے کون کون کھال دیا؟“ اسحاق نے پوچھا۔

”میں کو ادھر کوئی پائینکس کا کھانا نہیں ملتا ہے۔ آج نوکر لوگ ہوائیں گئے چنگ

نہیں چاہتے کھل پائیں گے، آگیاں کام نہیں چاہتے اب ہوٹل میں کو دکھانا کام ہے، صبح سے شام کرنا ہوگا اب کیا کرنا کام کریت ہوٹل والا۔ نوکر لوگ کا داغ خراب ہوگا تو، ابھی

کھڑا لے میں ہوٹل والوں کا وسندہ اچھا نہیں ہے۔ ام سے کا بہت ہوتا ہوٹل ہے، بہت ہوتا ہوٹل ہے، جب سے انگریز ادھر آیا، پوڑی چھاؤنی ڈالا۔ جب سے ادھر ہمارا ہوٹل

چلتا ہے۔ میسجریز میں چنگ ہوا، افغان نساں میں چنگ ہوا، کہہ کر ہر چنگ ہوا، سب زلمی سپاہی، انگریز سپاہی ادھر رکھا جاتا تھا۔ ادھر ہمارے ہوٹل میں دو دو بیٹھے ہوٹل

چل تھا، ٹائٹس ہال تھا، بار تھا، اب سب بند ہو گیا، ام کو کونوں کی گدنی تھا، اب ہوٹل کی مرمت نہیں کر ملکتا۔ میری پرویز ایک ملک چنگ ہم کھاتا تھا کہ یہ گانہ کا پرندہ، چوڑی ہی پرویز

نے دنگا لے کر بھی کر دیا ہوگا، ہم نے کل پائیں اس کے نوکر لوگ کو اندر لگا دیا، یہ آج مالوم ہوا ہے تو چوڑی کھڑی چال ہے، ادھر ہمیں سے تم آج آئے، ہمارا ہوٹل کا بڑا خراب کرنے

کو۔ اصل دنگا کرنے والا تم ہے۔“

اسحاق نے کہا: ”مجھے کچھ نہیں، مشورے میں ہاں بلے قصور ہوں یہ سب باتیں میرا

ابھی تمہارے منہ سے سن رہا ہوں نہ میں کسی مرید کو جانوں، دیکھی واسطی کو، میرے لئے ایسی

افنی سیدھی باتیں ہیں، مجھے کیا فائدہ لگایا۔ ورنہ میں یہاں چنگ کے بارے میں کچھ کہنے

کے لئے آیا تھا، میں تو کسی کسی طور۔۔۔“

تو کیا؟ کیا؟۔ کس کام سے تم یہاں آئے تھے؟ پوچھنا بیڑے لٹکا کر چلا گیا۔ اسحاق نے غصے میں جھوٹا کر کہا۔ تم یہاں بزم نہیں ہا ہے کس لئے آیا تھا نصیب اس سے کیا؟۔

ہر جہی نے صوفیہ پر ہوا فتنے کو جھٹلے ہوئے کہا۔ میں نے پائیس اس کی دکان پر ہر ایک کو دیا ہے۔ پائیس میں آگئی ہوگی۔ وہ تمہارے ایسے دو عاشقوں کو ٹھیکہ بیڑیج کو رات کو دکھائے گا۔

کھڑائی کی حالات، بازار اور ریلوے اسٹیشن کے درمیان ایک اونچے پونڈ پر واقع تھی۔ سب انسپکٹر سامنت اسحاق کو ۱۰ گز ڈال کر بہت خوش ہوا، مارے غوغا کے اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس غوغا میں اس نے اسحاق کو پانے بھی پلائی، ڈبل روٹی بھی کھلائی، اور تقریباً اس سے اس طرح کا سلوک کیا جیسے وہ دولت مند تھا۔ اس کے گھر جہاں آکر ہو۔ بعد میں جب سب کو پوچھا۔ اور ریت سے اندازہ لگایا کہ وہ روز نامے میں بہت کچھ لکھی تو سب انسپکٹر سامنت نے بڑے اطمینان سے اسحاق کے پاس بیٹھ کر اس کی تقریر سنی۔

سامنت ایک وسیع فہم کا آدمی تھا، میانہ پر مگر نرمال ہے لی وجہ سے اور چھوٹا دکھائی دیتے لگتا تھا۔ اس کے چھوٹے سے چھوٹے گاہیوں پر بھی ٹھیک ٹھیک اس کے چہرے کو ایک عجیب قسم کی شفقت دکھائی دیتی تھی، اس کے نونچلے خصلے اور وقتیں دیکھا کرتے دار تھے جو اس کے گھر پر ہی رہتے تھے۔

”خود دوجا بہت مشکل ہے برائی، سامنت سائی کو کھانے کا۔ مگر ہر پاپیوں
اشیش ہو، بڑی مصیبت ہے، ہر گز۔ اب دیکھو یہاں کونڈا لے کر گیا تو جی نہیں، مارا
دیا ہوا قصہ ہے، یہاں گیا ہوتا جی نہیں۔ کوئی چوری نہیں کرنا، جتن نہیں کرنا، اٹھاؤ گا
کیس نہیں آتا۔ پہلے جب کونڈا لے گیا تو گھوٹ کے لئے ہسپتال تھا تو اس پاس کے
علاقوں سے لوگوں کے بھاگنے کے اور ماراؤ کے کہیں بہت آتے تھے، اب تو ہانے ڈانیاگو
کیا ہو گیا ہے، وہاں تک لگتی پیچھے غلط چارہ پتا ہے۔ اب سب انفرنگ کارگزاروں کے
دھماکے تو کیسے؟ اور اس کی ترقی ہو کر کیسے؟ تو تو میرے بچے میں برائی، اور مجھے قابل
دیا ہے کونڈا لے میں۔ میں کیسے کر کرتا ہوں میں جی ہاں تھا ہوں۔ افسروں کہتے ہیں
کو پولیس انسپکٹر کو باطل اور سرگرم ہونا چاہئے۔ اب یہ کیا ہے سرگرمی، دکانوں، لوگ اس
قدر غفلت سے ہو چکے ہیں کہ کوئی چوری نہیں کرتے اب میں بڑا ماراؤ تو نہیں سکتا، میں سے۔
کیکر دوں بڑی مصیبت ہے۔ ویسے یہ حالات بہت غمناک ہو رہے ہیں، اس کو کوئی سے غم
رہو سے کشیش ہو گا اور دیکھتے ہو۔ اور اس دوری کو کوئی سے خدائی زادہ ہو گا، دکان
جاسکتی ہے۔ اس حالت کے یہ بہتر یہ حالات ہے۔ کوٹوال پولیس سٹیشن کے پاس بھی
خفیہ گندہ حالات نہیں ہے۔ کوٹوال کے حالات حق نے دیکھا ہے!“

اسحاق نے سزا کر دی۔ ”تمہاری عمر چالیس سال ہے اور تمہارے بچے چار ہیں۔“

محاضرت کے بڑی شغف سے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر کہا، کوئی بات نہیں۔ جو سزا بہت مشفق ہو جائے گی، یہ سبیل اور واقعی غیب سلگتا ہے۔ یہاں اس کو دھوکا کھانے کا تھا۔ لیکن اس کا کوئی خدشہ نہیں ہو سکتا ہے۔

اسحاق نے کہہ کر کہا: ”یہاں سے تو — شیکی کو نہیں جانتا۔“

۱۔ اچھا بہت اچھا اساتذت کے چہرے پر کوشش کی اہل و قریبی چوسنے کے بہا،

1998, 1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 2679, 26

”بھئی میں بھی نہ کوئی نہیں ہے نہ اسحاق نے ڈر نہ گھونڈ ہو کے کہا۔

”بہت اچھا، بہت ہی اچھا ہے؟“ سامنت نے مدح و تحسین ہو کے بولا۔ ”تو اس کا مطلب یہ ہو کہ تم کچھ دن ہمارے یہاں رہو گے۔“ بھئی یہ تو بہت اچھا ہے۔ مگر تو یہاں پولیس سٹیشن میں کینڈا چڑے چڑے مٹر نے لگا تھا۔ ہاں ذرا اس کالٹ میں ڈاک کو پکھڑ بہت ہو جاتے ہیں۔ میرے نہیں ایک موٹا کبیل بھیج دوں گا رات کو اسے اونچا کر دیا جائے گا۔ پھر بالکل نہیں ہو گاؤں گے۔“

”اسے عہدہ تجیہ۔ سامنت نے ایک سپاہی کو آواز دے کر کہا۔ ”صاحب کے لئے ایک چائے اور لے کے آؤ۔“ اٹا کب کے سامنت وہاں سے چلا گیا۔ اور عہدہ تجیہ چائے کی ایک بیٹلی اسحاق کو دے گیا۔

چائے پی کر اسحاق نے محلات کے چاروں طرف نظر ڈالی۔ محلات پنجاب اس کا ساتھی صرف ایک آدمی تھا اور یہ بہت بڑا غریب آدمی تھا۔ اور جب سامنت اس کے گفتگو کر رہا تھا، تب بھی وہ رہ کر اسحاق میں غریب و غریب آدمی کی طرف دیکھ دیتا تھا۔ مگر میں کل طریقے سے سامنت نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔ اس سے اسحاق کو جرات نہ ہوئی کہ سامنت کے ہوتے ہوئے وہ اس آدمی سے بات کر سکے۔ یا اس کے متعلق پوچھ ہی لے۔ ہاں اب سامنت اور سپاہی کے ہانے کے بعد وہ اس آدمی کی طرف مڑا۔

”سب سے پہلی بات تو یہ تھی کہ اس آدمی کا ایک کان دھنسا ہوا تھا۔ وہاں پر ایک مندر میں زخم کا جڑا سا نشان تھا جو داہنے دھڑا رنگ تھا۔ پھر اس آدمی کا ایک بازو بھی نہ تھا۔ آدھا بازو بچا ہوا تھا۔ اور اس کے ساتھ ایک نعل ایک نما بازو لگا ہوا تھا۔ پھر اس آدمی کی ایک ٹانگ بھی نہ تھی۔ ایک بیٹا بھی اس کے پیچ و سلامت بازو کی نعل سے نیچے تھوڑی تک ایک۔ یہی تھی۔“ دائیں بازو اور بائیں ٹانگ کے کٹ جانے سے اس کا

جسم غریب بے ٹول اور بے ٹوٹکا سا ہو گیا تھا۔ مگر اس کی آنکھیں بہت بڑی بہت سیاہ اور بہت گہری تھیں اور ایک غریب قسم کی پشاشت سے معمور تھیں۔ اور گو اس کا رنگ گہرا سیاہ تھا لیکن جب کبھی وہ سکرانا تھا تو اس کے ہونٹوں میں اس کے پیچ و پھوٹ دانت و تیروں کی لڑائیوں کی طرف پلکتے تھے۔ اس کی مسکراہٹ بے مدعا لگوار تھی۔ اور مسکراہٹ کا تعلق ہمیشہ رشت سے ہوتا ہے۔ اسحاق کی ٹھٹھے اس آدمی کی طرف گھور کر دیکھتا رہا اور اسے اس غریب و غریب انسان میں ایک غریب و غریب کشش نظر آئی۔

اسحاق نے کہا۔ ”اس وقت محلات میں ہم صرف دو جڑے۔ کیوں نہ اپنا قصا رات ایک دوسرے سے کر دیں۔“ یہ انام اسحاق ہے۔
”میں انت مزدیج ہوں۔“

دونوں نے بات چلیا۔ ”انت مزدیج کو آجی بک اور اسحاق کی پانچوں آنکھیں ایک غریب و غریب صافشے میں گھٹ گھٹیں۔ بک غریب قسم کی جو مچری اسحاق کے صہیں ڈوٹگی۔ انت مزدیج نے پوچھا۔ ”تم کیا کام کرتے ہو۔“ ”مگر یہ بتا دو تو میں یہ معلوم کر لوں گا کہ تم نے کیا جرم کیا ہو گا۔“

اسحاق نے مسکرا کر کہا۔ ”میں ایک ادیب ہوں۔“
انت زور سے ہنس اٹھا۔ ”کی تو اہموت نہیں لے اسحاق کے دل کو بھگایا۔“
”تب تو تم نے کوب شراب پی ہوگا اور قصا سے پاس شراب کا پرست نہ ہوگا اور ہونٹ میں اگر پھلپھس نے قصیں گرتی کر لیا ہوگا۔“

اب کے اسحاق کی باری تھی دور سے جھٹکے کی۔ اس نے کہا۔ ”بالکل غلط، مجھ پر یہ الزام ہے کہ میں نے ہونٹ کے کور کوں کوں بک کے خلاف جھڑکایا ہے اور کشائی کی اہلی پران سے دھڑک کر داریے۔“ ہلاک لگے اس پر۔ ”وہ واقعہ کونوں علم نہیں ہے۔ میں نے کبھی اس کے تعلق کچھ کہا ہی نہیں۔ میں تو یہاں ایک اور جی کام سے آیا تھا مگر اس لگا

ساتھ۔ میرا بھی کام کیا، بازو دکھایا، ٹانگ دکھائی دو تو ہمارے قسمت بھی کبھی کسی طرح بچ گیا؟
 ”بھئی کبھی باہر کی کبھی؟ اسحاق نے پوچھا۔ اس سے تو بھید بہت تھا کہ تم جانتے آ۔“
 مرویج نے کہا۔ ”پچھلے میں بھی تعدادی ہی طرح سوچا تھا۔ آج سے آج سے میری دل کے
 بھی کافی زندگی کے حلقے پہنچ گئی اور اب، دو کچھ لو اب تو میں زندہ ہوں اور خوش ہوں اور
 زندہ رہنا چاہتا ہوں۔“
 وہ تم کیا کام کرتے ہو؟

”میں بازار میں جو کچھ جاتا ہوں اور بچا لے جاتے ہیں وہی وقت کرتا ہوں۔ میرا
 کام بہت قلیل ہے۔ اس نے میرے پاس کوئی کئی نہیں ہے۔ پھر میں یہاں
 آیا۔ جوت سے جوت سے لوگوں کو صلہ دے رہا ہوں۔ بازار کے دوکاندار، چھوٹے چھوٹے
 کسان، ملازم پیشہ لوگ، اپنی ٹھکانے لگے ہوئے آتے ہیں، مجھ سے غور کرتے ہیں۔
 پتلا اور آواز دیا۔ ”کوئی اس کے لوگوں کے بہت سے جھگڑے ہو کر آیا ہیں تو جانتا ہوں۔
 انھیں پتہ ہے۔ یا نہ پتہ ہے۔ جاننے کی ضرورت نہیں پڑتی اور یہاں بھی کوئی ایک
 ملید کو کم کر رہا ہوں۔ اور“، سننے سے بہت تندرگ ہو گیا۔
 ”شاید اس نے سب کچھ سمجھتا ہے تم سے ٹھیک طرح سے بات نہیں کرتا،
 تم اس کی روزی پرکات مار رہے ہو۔“

مرویج ہنس نکلا۔ چار چار دانگ کچھیری میں کوئی نہیں رہا اور یہ کسی سے
 کوئی خیر بھی نہیں رہتا، اپنے جتنے کا اختیار جتا ہوں، اور فیصلے کرتا رہتا ہوں۔
 ”تم فرمے کچھ ہو۔“
 ”میں کچھ نہیں ہوں۔“

”میں کچھ نہیں ہوں۔“
 ”میں کچھ نہیں ہوں۔“
 ”میں کچھ نہیں ہوں۔“

لے مجھے حالات میں ڈال دیا۔
 ”تو یہ وہاں تک کو شہ کیسے ہوا؟“
 ”اس کا اور جنگ کے مضمون پر وہی ہوئی میں نہیں ایک اعلیٰ سینٹر سے سپری
 بہت طرف کی ہوئی اور بہت کی گئی میں میں نے کھانے کی پلیٹ کھینچ کر اس کے منہ پر
 دے دی۔“
 مرویج اس کے قریب ہو گیا، بولا کہ تم جنگ کے حق میں رہتے ہو گے، مجھے تو اس
 قدر دلچسپی میں آگئے۔

”جیس،“ اسحاق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”میں اس کے حق میں ہوں رہا تھا۔
 اور وہ کچھ تو میں نے کیا کیا واقعی مجھے بہت افسوس ہے۔“
 ”نہیں تم نے کیا کیا؟“ مرویج اس کے اور قریب ہو کر بولا اور اس کا ہاتھ ہوا
 تھا فیصلہ کن انداز سے ہرایا۔ پھر اس نے اپنا اپنی ایک اسحاق کے کندھے پر رکھا کہ
 کہا۔ ”میں ہی وہ آدمی ہوں جس نے اس کے کندھے پر کھڑے کے تمام ہتھیاروں
 کا ٹکڑا سے دھنکھلائے تھے۔ ہتھیاروں کے لیے مجھ سے تیار تھا۔“

”میں سب کچھ نہیں۔ سینٹر ہر طرف کے لیے سب جانتا ہے۔“ اسحاق نے
 کہا۔ ”انھوں نے ہی مجھے یہاں حالات میں نہ بھائی ہے جیسرا سینٹر کی شکایت پر۔“
 اسحاق کچھ دیر چپ رہا۔ پھر بولا۔ ”لیکن ایک بات میری کچھ میں نہیں آتی۔ نہیں
 اس اور جنگ اس قسم کے مسائل سے کیا تعلق؟ تم اس قدر تو مجھ سے آ آ رہی ہو۔
 آج سے اس کی دکھائی دیتے ہو، تمہارے لئے تو روزمرہ کا کام کرنا اور اپنی خود اپنی زندگی
 جتنا مشکل ہوتا ہو گا؟“

”میں اس جنگ نے پیدا کی ہے سٹر۔ دوسری جنگ میں میں جوتی ہونے
 سے پہلے میں بھی تھا ہی طرح پر انسان تھا۔ یہ جنگ نے ہی سب کچھ کیا ہے میرے

کے جوتے پادشے سے کھڑا لے میں طویب آدمیوں کے جوتے بنانا بھڑکام ہے، میں بہت خوش ہوں۔

لیکن تم نے یہ تو بتلایا ہی نہیں، تم ہنسنا اور جنگ کی بحث میں کیوں تپ رہے؟
انصاف و برکت نے غصے سے اپنے تنگ ہاتھوں میں ہار کر کہا: میں نہیں چوں گا خود کوئی نپے لگاؤ، تم میرا طرہ نہیں دیکھتے ہو؟ جنگ نے ہر کچھ لڑے کیا ہے، کیا میں اسے دوسرے نو جوانوں پر روار کھنے کی اجازت نہیں بخوشی دے دوں گا؟ تم بہت غصا بگتے ہو مسٹر! یہ لوگ! میری لاش کو دفن کر دیں گھڑا لے سے ایک نو جوان جنگ میں مر جائیں گے؟
”یہ لوگ کون؟“

”یہ ہونٹ والے۔ جو انگریزوں کے نہانے کے قابض آہانے کے خواب دیکھتے ہیں۔ جو کہیں کوہا میں، کبھی چین اور امریکا میں، کبھی روس اور امریکا میں کبھی ہندوستان اور پاکستان میں۔ جنگ دیکھنے کے خواب دیکھتے ہیں، میں کبھی نہ جانا، ہوا میں نہ تو بس بٹا۔ پچاسیے اور زخمیوں کے ہسپتال پائنت۔“

اساتقی نے کہا: ”بیٹا وہی سوال جنگ کو نہیں ہے۔ سوال ان لوگوں کی ہڈی کا ہے۔ ان لوگوں کے ہونٹوں پر ہے۔ میں، اپنی سیال آتے نہیں، انگریز چلے گئے، منافق نعم ہو گیا۔ اب یہ لوگ انگریزوں کو قابض ہونے کے خواب دیکھیں، جنگ کرانے کی کوشش دکر کریں تو کیا کریں؟“

”بہت کچھ کر سکتے ہیں؟“ مرد سرجے زور سے کہا: ”مگر یہ آزاد ملک اور کابل میں، اور آرام سے رویہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ میں بھی تو کھڑا لے کا بھلا چاہتا ہوں۔ میں بھی یہاں کے ایک درجن بوڑھوں کو آباد دیکھنا چاہتا ہوں، میں بھی تو اس کے بازار کو رونق کوڑھتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ مگر میں دیکھتا ہوں اب یہ کام پڑانے ڈھب سے دہرا، اٹھا، روپے روز پر کرو وغیرہ کھڑا لے کا من دیکھنے کی جانت

کریں ہے! ان لوگوں کو اپنے کرائے لگائے نہیں گئے، نہ زمین کروں کے پہنچ کی کیا ضرورت ہے۔ بڑا بڑی میں ہار دینا کھو، آٹھ ہزار کھو، پڑ پڑ دو ڈیڑھ ایک روپیہ ہار جائیگا۔ آٹھ گورس کا ڈاکروں دیتے ہو، آٹھ آٹھ میں جاں، روٹی دو، دیکھا ہوں کیسے بھٹی سے ہر پنچر کو بھری ہوئی گاڑیاں کھڑا لے میں نہیں آتی ہیں، کھڑا لے کے من کو عام لوگوں تک پہنچ جانے دو، وہ خود اس کی حفاظت کریں گے۔ مگر یہ کابل پر مری اور نصر وہاں بھی کیا کہا کے اس کام کو کریں گے۔ شرب ان کی نگاہ میں جاتی ہے، کبھی خود عزت نہیں کی۔ عام لوگوں سے بڑھتے ہیں اس لئے یہ انگریزوں کو واپس لکھنا یاد سے زیادہ منافع کالے کے خواب دیکھ کر کھڑا

جب حالات میں شام ہو گئی تو بیچ کی طرف سیدیہ اور سنا ہوا چروانے ایک مسین باور تیار اندام مراٹھی لڑکی اپنے ہاتھوں پر ایک تھالی کے اوپر دوسری تھالی رکھے اور ان پر ایک اور تھالی اور ان کے کھانے کے دروازے تک آئی، عبدالمجید نے اس کے لئے دروازہ کھول دیا وہ ماضی لڑکی کا نہیں بلکہ کئے انداز میں تھا لیا اس نے اپنے ہاتھوں سے چنگی کر کے کڑی کے ایک ٹپ پر رکھ دیں، پھر اس نے جھک کر روٹی کا پاؤں چھو اور دروازہ اساتقی کو پر نام کیا اور پھر روٹی کی طرف منکر بہت آہستہ سے مراٹھی میں بولی: ”یہ آپ دونوں کے لئے کھانا لائی ہوں۔“

”یہ کھانیت کر کے کیا ضرورت تھی؟“ مرد بکریوں اور پھر اساتقی سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: ”یہ واسنی ہے جو روز ہونٹوں کی پڑ سے دھوئی ہے، اسی کو ہر روزی نے نوکری سے

جواب دینا ہے :

اسحاق اس پیار دہلی کو گھر سے دیکھنے لگا تو آنکھوں پر کبر کر فنی رہی تھی کہ میں اس کی ادھیل پر اس لئے دھنکارتی ہوں کیونکہ میں عورت ہوں..... "۔

واسحق بولی : "بیٹھنے مجھے دوبارہ لوکر رکھ لیا ہے "۔

تو نے معافی مانگی ہوگی : "مرد دیکھنے لے افسردہ کی طرح چھا۔

"میں نہیں!" واسحق پتا چڑی : "ہوش کے لوگوں اور دوسرے ہوش کے لوگوں نے ہڑتال کر دی ہے اور سچ کو ترنت ہی اپنا حکم واپس لینا پڑا ہے۔"

مرد دیکھ کا چہرہ مکمل اٹھا۔

واسحق نے باتو جوش کے کہا : "کنا نکالنا اور۔"

مرد دیکھنے لے اٹھا، "اور کیا خبر ہے؟"

مرد دیکھ اور اسحاق کنا نکالنے لگے، واسحق انہیں خبریں سناتے لگی۔

"تمام ہوشوں کے علاوہ ہڑتال پر چلے گئے ہیں اور اب کی ضمانت کے لئے روپیہ

اکٹھا کر رہے ہیں۔ بازار والے بھی آپ کی ضمانت کے لئے روپیہ دے رہے ہیں اور

کل اٹھوں نے ضرورتی کے میدان میں ایک سبھا بلس لگی رکھی ہے، جہاں آپ کا بھاشن

ہوگا۔"

رہو نہیں۔ یہ کھیل تو بہت عرصہ سے۔ میں نے پہلایا ہے یا تو نے؟"

واسحق شراب کے بولی : "یہ میں نے پہلایا ہے..... اور مجھ پر یہ سیخ ڈر کے

مارے بھی بھاگ گیا ہے اور جان بٹر کہ باہر کا اب بھی والے ابو پر مقدمہ نہیں

چل سکے گا؟"

"واہ۔ یہ گوشت تو بہت عرصہ پہلے سے کس نے پکایا ہے؟" اسحاق نے

خبر سے کھاتے ہوئے کہا۔

"یہ میں نے پہلایا ہے؟" واسحق خرم سے بالکل دوسری ہو گئی : "مجھے گوشت پکانا

نبیہا تا، تو میں نے آئی مجھے ڈانٹا، دوسرے گھر پر پکانے کی تو کیا صرف پر سے بنی ہو گئی

روٹی کرنا نہیں سیکھے گی؟ اگر میں کوئی سلاخ بھائی اٹھائے تو کیا پکا کے کھلائے گی؟"

مگر میں نے کہا : "مجھے نہیں آتا، گوشت پکانا اب کے تو پکھڑے میں میں اب مرد دیکھ کی ہو گئی۔"

واسحق نے اپنا اٹل مال چروا چنگ ساڑھی کے ٹکڑوں چھپایا تھا۔

"میں نے سامان بہت عرصہ پہلے پہلایا ہے؟" اسحاق نے چٹا سے لپٹے ہوئے کہا۔

"ہوش میں تو ایک بار بھی ایسا گوشت نہیں ملا۔"

اس پر وہ ہنسنے لگے۔

حالات کا جذب ٹوڑا تھا، اس لئے حالات میں انہیں جیرات تھی ایک ملگیا

ساچا نہر بادلوں کے پیچھے سے کھینچی کوئی دنیا سے دم دم سی روشنی لے آتا تھا جس سے

مرد دیکھ اور اسحاق کے شراب روشن ہوتا دھتے تھے وہ دونوں ایک دوسرے کے بہت

نوریک کوئی دنیا دھتے تھے، ایک کا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ میں تھا اور ایک کا جسم

دوسرے کے جسم سے براہ زائد طاقت سے مس ہو رہا تھا۔ اور وہ دیکھے دیکھے ہی

وہ ایک دوسرے کو اپنی زندگی کی خوشن و شیرین داستانیں سناتے رہے۔

مرد دیکھ کہ رہا تھا۔

"اور یہ میں جنگ سے واپس آیا تو کھلا کھن میں نہ تھی۔ پہلے وہ تو مجھے

گوئی میں کسی نے نہ بتایا، لیکن دوسرے دن پتہ چل گیا کہ کلا کا بیاد اس کے پاس ہے۔
پانڈو رنگ پھول والے سے کہہ دیا ہے جو کہانی میں رہتا ہے اور اگر کام روڈ پر ٹھکانہ دار کے
ناکے پر چلے جاتا ہے۔

دو چار دن گھر میں رہ کر بیٹھی پلائی۔ میری اپنے گھر میں ڈنگ۔ گوئی کی ہر گزندی
جیسے میرے قدم روک کر مجھے کھرا کر دیتی تھی اور میں ان قدموں کے قاب و گھٹنگ جاسا تھا
جو کلا کے تھے اور میں کہیں نے پہچان لی تھی اور جب میرے ہسپتال میں یہ خبر پہنچا تھا جب
انہوں نے میرا بازو کاٹ ڈالا اور میری ٹانگ کاٹ ڈالی اس وقت میں موت کے دہانے
پر تھی میں نے اپنے سینے سے وہی قدم اپنانے رکھے۔ اسحاق کی بات گھر سے ہو کر آیا
کہ رہا ہوں؟ انسان کیسے کسی کے قدموں کو اپنے سینے سے لگائے رکھتا ہے؟

اسحاق کو جیل کے اپنے ہونے پر یاد آئے اور اس نے بھڑائی ہوئی آواز میں
کہا۔ "ہاں مجھ رہا ہوں، اللہ!۔" اسی کوئی کئی ساتھی جب میرا بیٹی پہنچا۔ شام ہو چکی
تھی۔ ٹھکانہ دار روڈ کے ناکے پر روٹ نہیں، جنگ، میری نہیں۔ پانڈو رنگ پھول والے
کی دوکان کے سامنے ایک کچی کے گھجے کی کھوت میں بیٹھا اور کلا کو دیکھنے لگا۔ گلابی
رنگ کی ساڑھی میں بیٹھا کہ اگر شرع تھا، کوئی اچھی معلوم ہو جی تھی۔ وہ موت کو کھانوں
میں چپا کے پھولوں کی ایک دھڑی پانڈو رنگی اور اس طرح اس کا مہر پاؤں کے انگوٹھے
باتھ کی پورنگ ایک کمان کی طرح سمجھا ہوا تھا اور باتھا۔

"تم اس کے سامنے گئے اس نے تمہیں دیکھا۔"

"نہیں میں اس کو کھڑا سے دیکھتا رہا، دینی کلا کو جیسے انہوں نے ایک پھول
والے سے بیاد دیا تھا۔ کوئی خوش اور خوبصورت نظر آ رہی تھی۔ میں نے سوچا میں کیسے
اس کے سامنے ہاؤں، کیا کہوں اس سے۔ کیا تھا اتنی دور سے اس سے کچھ کہنے کو ایک
ٹھکانہ کرنے کو۔ جب میں اس کے پاس سے گیا تھا تو پورا انسان تھا۔ جب جنگ

سے واپس آیا تو آدھا انسان تھا۔ میں نے سوچا تو مجھے پتہ چل نہ سکے گی اور جب وہ
میرے بتائے پر پہنچان لے گی، تو میں شک ہوں سے، دوسرے پاؤں تک لے دیکھے گی،
ہی شک ہوں کہ میں کہیں سے جا کر نکوں گا۔ میرے دل میں تو کلا کی ہر بات اور اس کی ہر گز
کے لئے جگہ ہے لیکن اس شک کو رکھنے کے لئے میں اپنے جسم اور دماغ میں کوئی ہی جگہ
نکالوں گا۔

"انت؟" اسحاق نے اس کا ہاتھ زور سے دبا دیا۔

"نہیں میں وہ اپنے کام سے قانع ہو کر پانڈو رنگ کی طرف تیزی پانڈو رنگ
جو خوبصورت تھا، میرا تھا اور پورا تھا اور ان دونوں کے ہاتھ پانڈو رنگ کے اور کلا کے
ہاتھ ایک دوسرے سے مل گئے گول گئے اور میں اب تک دروہا تھا، کسی مولا جنگ پر
دکھی ہسپتال میں، نہ زندگی کے سامنے، نہ موت کے سامنے، اس وقت کلا کے انہوں
کو پانڈو رنگ کے ہاتھوں میں جاتے دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو بہنے لگے۔ اور میں اسی گھجے
کی کھوت میں ایک دروازے کے دروازے میں کھڑا کلا کو دیکھنے لگا۔ اور میرے آنسو ختم نہ سکے۔
اور دروازے کے پر کی پٹھانوں میں ایک کھوت سے نکلتے ہوئے گا۔

"تم مجھ سے پوچھتے ہو، مجھے جنگ سے اس قدر نفرت کیوں ہے؟ خدا سوچ تو میں
جنگ نے میرے پاؤں سے روک پال چھین لی جس نے میرے ہاتھ سے محبوب کی
کو بھین لی انہوں سے گئے گا تو جنگ چھین لیا، میں اس کے خلاف دلاؤں گا تو کیا کلا کے خلاف
دلاؤں گا جس سے مجھے نفرت تھی؟ اسحاق نفرت خدا کا انسان سے نہ ہونی چاہئے۔ اس
کلام زندگی سے ہونی چاہئے جو اسے مجھ کو یادگار، غلط یا نادر بنا دیتا ہے۔

یہ ایک اسحاق کی ایسا محسوس ہوا، جیسے اسے اس کو جواب مل گیا وہ جواب بہا کہ
وہ میرے سے غلط تھا، اس کو جواب دیا کہ اسی زندگی میں پانا پاتا تھا، ایک ایسے تجربے
سے ماسخ بنا پاتا تھا، جس کی طرح مجھ پر ہوا اور پتا ہو، وہ جواب انت نے اپنی

زبان سے نہیں بولی زندگی سے دیا تھا۔ دھوکہ ایک بڑی سست اور طہارت کی بھروسے کے
رگ دیکھ کر یہ دھوکہ اور وہ بالکل بے اختیار بھوکا منت سے اپنے پٹ گیا۔

کیا ہوا! منت بڑی سست سے اسحاق کی طرف دیکھنے لگا۔

مگر اسحاق نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔

اس نے منت کو کھڑی کٹھ اور بیچ پہنکادیا اور گود نکالت کے شعلے سے چھری لے
قرش پر اپنا کھیل بچھا کر ڈالے المیہ بان سے منگیا۔

رات کے تیسرے پہر اسحاق کی آنکھ کھلی کون سے زور سے ہلچل کر بگاڑا تھا۔
اسحاق بڑبڑا کر اٹھ اٹھا۔ زیندے گھر ناگھوڑ میں اس نے کئی ایک بڑے بڑے پھیلے ہوئے
چمڑے دیکھے جو اسے گھور رہے تھے گھبرا کر اسحاق نے اپنی آنکھیں میس اور پوچھ دیکھا۔ مہاجرین
اسے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کے سر پہ ایسا کھڑی مسکراہو تھی اور اس کے قریب
سب ان کے سامنے ہی بیٹھان حال کوٹھا اس کے سامنے تھیں یہاں کی سیاہ جلی ڈھلک گئی
تھی اور ٹیکڑی ڈھلک کر گھٹنوں تک پہنچ چکی تھی۔

ایسا لگے کہا۔ "اٹھ اور اپنے ساتھی کو بھی جگھو۔ میں نے تم دونوں کے لئے دو ٹوں
کا بند دیکھ کر دیکھتے۔"

سامنت نے بوجھلے ہوئے پیچھے ہٹ کر کہا۔ "اتھ مجھ پر صاحب نے سونے

میں دیا۔ کبھی لوٹاؤ لے کے میرے گھر کو اور ٹوکھٹوں، کبھی وہاں کی جگہ میں ٹوکھٹوں کبھی شریعت کا
ڈانٹ کبھی جوش والے کو پچھلے۔ یہ صاحب نے تو بولانا کاسی و دم کر دیا۔"

پھر اس نے شکایت آئینہ بھائیوں سے اسحاق کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تم تو کہتے تھے
تھلا یہاں کوئی نہیں ہے؟"

اسحاق سکڑا اور انتہائی سوچ کر کھانے لگا۔

ایسا لگے منت کر سامنت سے کہا۔ "تجھے تم سے بڑی مہمندی ہے واقعی =
اور اسویا ہوا قصہ ہے، لوگ آٹھ بجے ہی کہا نا کھا کر سو جاتے ہیں۔"

سامنت نے کہا۔ "فرسی دیکھی، فرسی جھگ دوڑ شروع ہوئی تھی، چند دن تو اچھی
طرف سے گزرتے، آپ نے میرا صاحب کے سب سے پٹ کر دیا۔"

اسحاق کھیل کر کہنے لگا۔

سب یہ سب تم رہتے دو۔ سامنت نے ذرا ترشوائی سے کہا۔ "مہاجرین سب
کہے گا۔ اپنا تم دونوں کو زیرم صاحب کے ساتھ جاتے۔"

حالات کا آئینہ روزانہ لگا اور جب دھوکہ باہر نکلے تو زور سے بند ہو گیا۔

اسحاق نے المیہ بان کا سانس دیا۔

جب دو پائیس چکی سے باہر جانے لگا تو سامنت نے بڑی تندہی سے اسحاق سے ہاتھ
ٹھایا۔ سامنت دل کا نیک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اور اس کے معاملے میں کبھی غم کی لہر
اب باقی نہیں رہی تھی، بس ایک ڈرنا آفسو کا شائبہ تھا۔ اول تو یہاں کچھ ہوتا نہیں اور

اگر کچھ ہوتا ہے تو لوگ ضمانت دینے آجاتے ہیں۔

زور زور سے مصافحہ کرتے ہوئے سامنت نے اسحاق سے کہا۔ "پچھلی آٹا؟"

پائیس چکی سے اڑ کر دو ٹوں پیچھے کی چٹک پر ہو گئے۔ اسحاق کے جھم جھم گود بگڑ پڑا

کی جانب دوڑ گئے۔ گلو ایسٹ نے اس کا بازو تھام کر کہا: "اگر ہمیں اصرار ہے
وہ سامنے کے دیو سے شیش کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔"

"میں تو ابھی اپنی دنیاؤں کو اسحاق کو اسحق سے بولا دیا تھا۔ یہ بھی پیشین گوئی کا حکم ہے۔
ایسا لے کہا: "نہیں۔ تم یہاں جتنے دن جاؤ وہ جتنے ہو سکتے ہو۔ مگر مجھے تو جانا ہوگا۔
مجھ کی گاڑی سے۔ اور اب یہ اس نے اپنی گاڑی کی گھڑی دیکھ کر "ب گاڑی کے آگے میں
صرف تین گھنٹے باقی ہیں۔ یہ اسامان ورننگ روم میں رکھا ہے۔ وہیں چل کر باتیں کریں گے
اس نے انت مروجہ کی طرف دیکھا اور پوچھا: "تمہارے پاس وقت ہے؟"
انت مروجہ نے بڑی جھنجھکی سے سر ہلایا مگر اس کی آنکھیں خوشی سے چمک
رہی تھیں۔

شیش کے ورننگ روم میں کوئی دستا، ایک بڑی میز، چار گرسل ایک طرف ایسا
کا تھوڑا سا سامان، چھت کو کھٹا آہستہ چل رہا تھا۔

ایسا لے کہا: "اس وقت چائے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔"

"سات گھنٹے ہیں۔ اب تو چائے والا بھی اپنی دوکان بند کر کے سو رہا ہوگا۔"

انت مروجہ نے کہا: "چائے والا میرا دوست ہے۔ سوئی رہا ہوگا تو میرا سے
چمک کے چائے خواہتا ہوں۔"

تھوڑی دیر کے بعد چائے آگئی۔ پتالوں پر سے گرم مہاپاشنی ہوتی، پیروں
پر اٹھ جان کی چمک جاتی ہوئی، ایسا اسحاق اور مروجہ کی لپٹی لپٹی کمرسوں پر قریب کھڑا
ایسا اپنی پیالی کو دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر اسے اپنی جھیلپوں میں آہستہ سے
گھماتے ہوئے بولی: "چائے کتنی اچھی ہے۔ کتنی دور سے آئی ہے۔ کتنے دور کے
مکلوں تک پہنچی ہے۔ کتنے ہی دنوں، نسلوں، زمینوں، فاصلوں کو متاثر کر کے اس کی
سہاں پر وہی ایک فرح فاکتے آئی ہے۔ یہ بھی ہی چائے کی لپٹی۔"

مروجہ نے کہا: "چائے ملائی ہے۔ مگر ملائی کتنی کم کرتے ہیں۔ ایسا لے کہا: "میں
نکلا یا تو یہ جو چیز کتنی کم کرتی ہیں، ان کی قوت غالب ہے۔ میری ایک بھئی ہے وہ مٹری
برکت میں رہتی ہے اور میری ماں سکین میں رہتی تھی جو شرقی زمین میں ہے۔ مرنے وقت بھی
میری ماں اچھلتی رہی کہ اپنی رہی، آخری دم تک سے اپنی زمین کے آگے کھڑا نہیں رہی مگر ان
لوگوں نے، چاہے وہ کہیں کے بھی ہوں، مگر وہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں، انھوں نے ایک کتنی
کو دور سے ہیں سے دیکھنے دیا۔ یہ نا انصافی کے کئی کئی ملک انسان کے سینے پر لکھے
میں گئے اور سے میرا کئی ہوں رنگ، نسل، قوم، مذہب اور ملک کے تقاضات کو رہنے دو۔
ان کی مدد بندوں کو بھی برقرار رکھو۔ لیکن دونوں کو ملنے دو، کہیں تو ایک مشترک زمین، ایک
ہیلا ت رہا ہے جہاں ہر طرف کے انسان سر جو کر رہے تھیں، جہاں وہ جیتے اور مرنے وقت
ایک دوسرے کو پرو دیکھ سکیں۔ اسی تو یہ چرچا دیکھنے غلافوں میں چھپا ہوا ہے کہ کبھی انھوں نے
تھوڑی دیر تک خاموشی رہی، تینوں خاموشی سے چائے پیتے رہے پھر اسحاق نے
آہستہ سے کہا: "بہت پریشانی ہوں اور میری لگن، کچھ نہیں آتا۔ میری طرف دیکھو۔ میرا
نام اسحاق ہے۔ میرا نام رام مال نہیں ہے تو کیا اسی لئے میں تھار ہوں؟ کچھ لوگ بھی کہتے
ہیں۔ میں تم سے پوچھتا ہوں۔ اگر اسحاق مختلف ہے تو میرا بھی تو رام مال سے مختلف ہے،
تو وہ مل راؤ بھی تو رام مال سے مختلف ہے۔ تو توں گلو بھی تو رام مال سے مختلف ہے؟"
انت مروجہ چپ رہا۔

اسحاق ٹھٹھے سے بولا: "میں مسلمان ہوں، میرا نام اسحاق ہے۔ میری بڑی ماں
ملک کی ہیں۔ میں پر میں نے قوت اور نشو و نما پائی ہے اور یہیں سے پاؤں گا۔ لیکن تم
جانتے ہو جب وہ ملک آگیا ہے، قربت ہے، چھپتا ہے اور بھٹا ہے تو وہ صرف
زمین کے اندر ہی نہیں رہتا، وہ وہاں کے اوپر آتا ہے اور آسمان کی طرف دیکھتا ہے
اور اس کی خاموشی چاروں طرف پھیلنے لگتی ہیں۔ میری بڑی ماں ہندوستان میں اور میرا

تھا بھی ہندوستان میں ہے۔ لیکن میں ڈال ڈال پات پات بہت سے ملکوں میں پھیلا ہوا ہوں۔ پاکستان میں اور باریان میں، مصر میں اور اٹالیا میں، مراکش اور تونس میں۔ اور ان سے بھی آگے بھٹتا ہوں اور روس، امریکہ اور جاپان۔ چین اور ملائیشیا۔ دیگر دیگر میں اپنے نام کی یاد رکھتے سنتا ہوں۔ کہیں پر کوئی میرے نام پر ٹھہر جاتا ہے تو میرے دل کے اندر زخم پیدا ہوتا ہے اور پھر اس میں سے سسٹے گتے ہیں۔ میں پتھر نہیں ہوں میں ایک جا غارتھے ہوں لوگ اس چیز کو کیوں نہیں سمجھتے؟

ایسا لگے کہ: "تو انھیں صرف اپنے نام سے پیار ہے؟"

انہیں ۳۳ احقاق نے جسے تینوں سے کہا: "مجھے ایسا اور مرد کی جن سنگوں اور لڑائیوں اور لڑائیوں اور سب لڑائیوں سب ناموں سے پیار ہے۔ لیکن میں احقاق سے بھی بہت کرتا ہوں کیا اپنے نام سے پیار کرنا قادری ہے؟"

میں صرف اپنے نام سے پیار کرنا اور دوسرے ناموں سے نفرت کرنا قادری ہے؟ مرد کی لئے آہستہ سے کہا۔

"میرا نام ایک پھول ہے" ایسا پائے کی پھل کی طرف دیکھتے ہوئے ہوا۔

"تم نے بہت اچھی بات کہی یہ احقاق نے ایسا کے ہاتھ کو پور دیا۔ تم نے بہت

اچھی بات کہی۔ اسی اچھی بات کو آج تک کسی نے ظاہر نہ کیا۔ میں ایک اور بہت ہوں لیکن یہ بات آج تک میرے ذہن میں بھی نہ آئی۔ اور اب تمہاری تعریف سے سمجھنے میں پھول میرے ذہن میں آئے ہیں۔ عبدالحمید سالک، فیض احمد فیض، احمد زکریا قاسمی، نوریہ کاشمیری، مختار شفیق، قزو امین حمید، باجوہ مسرور، محمد حسن سکری، مہلات، مختار حسین، شفیق الرحمن ان میں سے کچھ ایک پھول ہے۔ ایک کتاب ہے۔ وہ ایک انسان کی ہے۔ یہ ان لوگوں سے

کچھ نہیں ملتا کہ وہ پاکستان نہیں گیا۔ لیکن میں نے ان لوگوں کی کتابیں پڑھی ہیں۔ ان کے دل کی دھڑکن سننے سے میری محفلت جاسی اور مسما کی خمار کھنے والے انسان ہیں۔ کوئی ایک

پھول کسی دوسرے پھول سے نہیں ملتا۔ لیکن یہ سب پھول ہی تو ہیں۔ سب انسان ہی تو ہیں سب کا میں ہی تو ہیں۔ تم جانتے ہو میں ایک اور بہت ہوں اور سب جنگب زوہوں ملکوں کے جنگب زوہ ہندوستان اور پاکستان میں جنگ کرنے کا کوہ بلند کرتے ہیں تو میری دل دھڑکنے لگتا ہے میں سوچا بول گیا میں بد وقت کے کہیں لوگوں کے سینے پر چڑھ دوں گا۔ لوگ مجھے اپنی جان کی طرف غور نہ کریں؟ ذرا سوچو تو یہ کیس طرح کی کتب الکلمی ہے، صرف اپنے وطن سے نفرت کرو۔ دوسرے تمام ملکوں لوگوں، مذہبوں، قوموں، انسانوں سے نفرت کرو اور اگر موقع ملے تو بد وقت نہ کروں کہ میں کمالیہ اور اگر کوئی ایسا کہنے والے کہہ کر پلٹ کھینچتا ہے تو اسے قتل کرتی ہوں۔ بدکردار۔ احقاق نے غصے سے سر جھٹک کر کہا: "کچھ بھی تو مجھے یہ اسلام بتاتا ہے جیسے میں ایک گہری خندق میں ہوں۔"

مرد نے اپنا اپنی پاک احقاق کے شانے پر رکھ دیا۔ اور جب وہ اپنی ہاتھ احقاق کو اپنے شانے پر رکھوں تو تو ایک ایک سے جھٹکا سالگا۔ اسے یوں معلوم ہوا جیسے وہ اس گہری خندق میں اکیلا نہیں ہے۔ اس کا ایک ساتھی بھی ہے اس جنگب نہ اس سے کہیں زیادہ خفہ میں اس کا پکا ہے۔ احقاق کی شرمندہ سا ہرک چلپ ہو گیا۔

مرد نے کہا: "مگر تم نے میرا پلٹ کھینچ کر رکھی کے سر پر مار دینے سے کام نہ چلے گا۔ جنگ کے خلاف میں زہی ہندو بہت ہی پراس، مختار سے، گیسو اور خیریدہ طرحیوں سے جاری رہی پانتے۔ لوگ تو بہت ملک میں پہنچے ہیں اور ان کے نام بہت زیادہ سے جوتے ہیں، اور جن لوگوں کے تم نے نام لئے، ان سے بھی زیادہ میرے لوگ ان کے جنگ میں ہوں گے جنہیں کوئی نہیں جانتا۔ اور ایسے ہی پیار سے لوگ تو کیا کے ہر کرنے میں شب و روز لگاتے ہیں۔ اپنے ناموں، اپنے مذہبوں، اپنے کچھوں، اپنے ہاتھوں کے ساتھ اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ وہ ایسی زندگی کی کہ وہ پانتے ہیں، انہیں گزارنے کا پورا پورا حق ہے۔ اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے پیارم کے نام پر یا سوشلزم کے نام یا کسی

ازم کے نام پر کسی مذہبی یا ملکی مفاد کے نام پر اس کے سر پر بددوق لکھ کر پڑھ دوڑے۔ اصل سوال یہ ہے۔ وہ یہ کہ کون سی انسان کے ہاتھ سے بددوق چھین لی جائے تو اس کے ہاتھ میں ایک پھول دیدیا جائے۔ تم ہانتے ہو جب ایک انسان ایک پھول کے کاپتے کسی دشمن سے لہنے کی بات کرتا تو جی الحق معلوم ہوگا۔ ہو گا کہ نہیں؟

اسحاق چہنے لگا۔

مرد میرے کہا۔ مگر یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ بددوق چھین کر اس کے ہاتھ میں پھول دے دینا۔

اسحاق نے اسے کاٹھ پلکا کر ایسا سے کہا۔ تم چل جا رہی ہو۔ وہ تم نے مجھے اٹھائی مشن کے سامنے کو ابشار دکھانے کو کہا تھا۔

وہ پر وگرا مگر تو تھوڑی پلیٹ نے ہلکا سا اب تم اکیلے جی اس آٹھ کو دیکھو گے۔ تاج کرک ہاتھ۔ اسحاق نے کہا۔ کل چل جانا۔

”فہیں۔ مجھے آتی ہی جانا ہو گا۔“

”ایک دن میں کیا فوق چڑھائے گا۔“

”نہیں۔ تاج ہی ہاؤں گی۔“

”اچھی ترشام کی گاڑی سے چل جانا۔ تاج یہ نہیں ایک دن میں رہنے کے لئے

نہیں کہ رہا ہے۔ چند گھنٹوں کی بات ہے۔“

”نہیں۔ میں تو اسی گاڑی سے جاؤں گی۔“

”چری حذری ہو۔ اسحاق نے سکڑا کر کہا۔ مگر ایسا بالکل مسکرا رہی تھی۔ اس کو

پھر وہ حق خدا اس کے ہوتے اندر کو چھپے ہوئے تھے اور اس کی آنکھوں کی پٹلیاں سکڑ

گئی تھیں اور اسحاق بالکل دیکھ سکے کہ اس نے تاج کی ٹیڑھی بات کہہ دی۔ وہ ایسا کواں

تھوڑا گھبراہٹ میں۔

اس نے ایسا سے پوچھا۔ ”بھئی۔ میں نے کیا کوئی ایسی ہی بات کہہ دی۔ جو تم نے میں کو لکھا۔ اس بات تو مجھے معاف کر دو۔“

ایسا بول رہا تھا۔ تم نہیں جانتے۔ تم نے تلواریں اس طرح پر لگے کسی واقعے کی یاد دلادی۔

”کیا۔“

ایسا بہت دیر چپ۔ جی۔ اچھی چاروں طرف سنا تھا۔ اچھی پر گئی تھی۔ اچھی

کوئی گاڑی میں آئے وہی تھی۔ اچھی سٹیشن پر مکمل خاموشی تھی۔

ایک ایسا نے کہا۔ ”کچھ کچھ مجھے معلوم ہوتا ہے۔ یہ وہی گاڑی ہے۔“

”ہاں۔ اور میرا تندرک گاڑی کا انتظار کر رہے ہیں۔ جنگ کے دوران میں۔ میں نے نہیں

پتا کیا کہ یہ انعام دے دیں۔ ہم۔ دونوں برفی ٹھکانے سے جگا کر پیرس پہنچ گئے تھے۔

یہی بات نے تو میں سے ساتھ آئے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن میرے خاندان کے ماں

باپ پر کچھ بددی تھے۔ اس نے وہ ہمارے ساتھ تھے۔ جب خطے کی مدد پار کرنے کا

موقع آیا تو جگہ ہماری مدد کر رہے تھے۔ انھوں نے نازیوں سے بچانے کے لئے میں

دو دو کے ہٹسٹن۔ حدود سے باہر کیا۔ پہلے میں میرا ہائیڈرو نے پانچ کر دوسرے

دن فلاں گاڑی سے میرے شوہر کے ماں باپ بھی پیرس پہنچ جائیں گے اور میں دونوں کو

پھینک کے لئے فلیں وقت سٹیشن پر پہنچ جائیں گے۔

پتا چھ دو سب سے دن ہم لوگ وقت پر پہنچ کر سٹیشن پر گاڑی کا منتظر کرنے لگے۔

لیکن اس روز وہ گاڑی نہ آئی۔

وقت گزر گیا۔ مگر پتا چلا گیا۔

مجھے یاد ہے۔ میرا شوہر نے اسے اٹھا اٹھا کر بار بار آؤٹ گسٹل کی طرف دیکھتا تھا۔

دو ٹکڑوں کی تھی کچھ ہوتی تھی اور وہ بار بار اس کی گسٹل کی طرف دیکھتا تھا۔ ایک گسٹل

گزر گیا۔ دو گسٹل گزرنے لگیں۔ اس روز وہ گاڑی نہ آئی اور ہم بائیس ہو کر وہاں پہنچ گئے

دوسرے دن پھر پکھنے ماسی وقت۔

دوسرے دن وہی گاڑی آئی لیکن اس بار سے شوہر کے مہی باپ نہ تھے۔ ہم نے ساری گاڑی چھان ماری، مگر وہ دو دن آئے تھے، گاڑی آگئی تھی، مگر وہ دو دن آئے تھے، پہلے دن گاڑی نہ آئی تھی۔ دوسرے دن گاڑی آگئی، مگر وہ دو دن آئے۔ میرا دل اندر سے چمک گیا۔ لیکن میں نے اپنے شوہر کو تسلی دیتے ہوئے کہا، "ممكن ہے دو لوگ انھیں آتی سرحد پار نہ کرا سکے ہوں، گاڑی میں نہ بٹھا سکے ہوں، ممکن ہے وہ لوگ انھیں کل بھیج دیں؟"

دوسرے دن میرا شوہر گیا۔

تیسرے دن پھر میرا شوہر انھیں لینے گیا۔

چوتھے دن بھی گیا۔

اسی طرح چند دنوں کا تار بیا۔

ہر روز گاڑی آتی رہی۔ مگر وہ آئے، وہ نہیں آنا چاہتے تھا، وہ پھر نہیں نہ گئے۔ اس دن سے میرے شوہر کو ایک عجیب سوچا سا ہو گیا ہے۔ میں تو وہ بالکل ٹھیک ہے۔ مگر کبھی رات کے سناٹے میں جب وہ کسی گاڑی کی کڑی یا گاڑی کے پکھنے کی آواز سن لیتا ہے تو سوچتا ہے "اگر زور زور سے چلائے گئے ہوں، یاں (با) یاں (با) یاں (با) یاں (با)۔"

ایسا سوچ ہو گیا۔

مرد کی آٹھویں ایک چھانسا آنسو ریزہ لگا، ایسا نے پوچھا، "اب ہم کب ملے۔"

کیوں میرا ہی گاڑی سے ہانا ضروری ہے۔ میرا شوہر مجھے لینے کے لئے اسٹیشن پر آنا ہوگا۔ اور اگر وہی ہی گاڑی کے بجائے۔

"نہیں، انہیں اسحاق نے ایسا کہتا تھا، وہ دبا کر کہا، "نہیں ایسا تم

اسی گاڑی سے جاناؤ گی۔"

جرمن نژاد ایسا اسحاق کو بہت پسند آتی تھی۔ اسحاق نے محل کی طرف واپس جاتے ہوئے سوچا، زندگی کے تلخ تجربوں سے اس نے کئی باتیں سیکھ لی، صرف تجربے کی گہرائی کی گہرائی کبھی کبھار عورت ہے۔

اسحاق چلتے چلتے اس کی باتوں پر غور کرنے لگا۔ گاڑی میں بیٹھا کر کوئی سے بات نہ کر لیا، اسحاق کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا، اوگہ وہ اس کی ہم عمر ہی تھی، پھر بھی اس نے بڑی بہن کے انداز میں اس سے کہا تھا۔

"تم نہیں مرو گے، اؤنا میں، آگئی ہی میں، جی جی میں، جی جی میں اور جتنے باقا عاشق ہیں وہ سب مرو گے، اس لئے۔ تم نہیں مرو گے۔"

مگر اسحاق اس سے کون و وہ نہ کر سکا، محبت کے دھڑکے جیل کی طرف اس کے دل میں بہا رہا، گھومتا لگا اور وہ دوسرے کو بونی شام کی طرف دھکے دے دے لگا، اور اس کی ٹھکانے میں وہ ایک لمحہ پہلے بنی داشت تھی وہاں اب ایک میز پر دو کھلی چمکے لگیں، اس نے زور سے اپنے لب پہنچنے لے، اور اپنے ہونٹوں کے کونے سے دھار سا مسکرایا۔ بس دھار سا کہہ کر کہ ایک قبضہ تم نہ تھا، ایک ذرخ تھا، کہیں گھل نہ جائے۔ اس لئے میں وہ دھار سا مسکرایا۔

گھنڈا لے کے بازار میں پہنچی گھر کو دیکھ اس سے نصرت بہا اور نصرت بختہ وقت کہنے لگے، "آج ظام کو ترسوا کے میدان میں ملے ہے، تم آؤ گے ناؤ۔"

مگر اسحاق نے اسے کوئی جواب نہ دیا، وہاں وہ ناں اور ناں خوشی سے اس سے باقہ ظام کے نصرت بہا اور پھر پھر کراس پہاڑی پر چڑھنے لگا، میں کی چٹی پر اس کا ہونٹ تھا، وہ میری سے میری ہی اچھڑتا گیا۔ ہونٹ کے صدمہ میں داخل بہا

اور سیدھا دھڑکا ہوا اپنے کونچ میں گس گیا۔ اندر ڈراؤنگ روم میں جا کر اپنے صوفے میں
 وحش کیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اور اس وقت تک اس نے کوئی
 اندازہ نہ کیا تھا کہ وہ اس کمرے میں کیلا نہیں ہے، جب تک ایک طرف سے آواز
 نہ آئی۔

”میں تک سے تھرا اٹھا کر رہا ہوں بھئی۔“
 اساقی نے پلٹ کے واپس طرف دیکھا صوفے پر ملانی بٹھا تھا۔

اندر اب کچھ رنج تھی، اور وہ بوٹ، موٹے اور سالوے کناروں سے تنگ اونچے میں
 سے اس طرف لڑا سے کھلے ہوئے کادپر کے دو دانت صاف نظر آ رہے تھے اس کے
 بوٹ کبھی ایسے تو نہ تھے، پھر اس طرف کی کیفیت کا آئینہ تو کبھی نہ تھا۔ ملانی بد صورت تھا۔
 مگر اتنا بد صورت تو کبھی نہ تھا، اس کے ہم اور رنج کے خدو غل میں اس کی شخصیت کے
 پرتو کی کئی صفحہ قابل خسارت تھے۔ مگر اتنا خیر تو وہ کبھی نظر نہ آیا تھا۔ آج وہ کچھ عجیب فرما
 ہوا، مگر صاف بول کر پورا یا ہوا سا دکھائی دے رہا تھا۔

یہ کچھ اساقی کے دل میں ایک نیا ہیلا، اور اس نے ملانی کا ہاتھ زور سے
 پکڑ کر کہا: ”جیلڈ میریج سے کو ہے؟“

ملانی نے بولنے کا کوشش کی۔ وہ ایک بار ملتیوں اس کی گرجا میں اور پر سے
 نیچے تک گھومنا، پھر اس نے ساتتے پہلی پر سے اپنی کا بگ اٹھا لیا۔ اور اسے اپنے فم
 سے لگا کے خفاوت اپنی بیٹنے لگا۔

جب وہ پانی پی پڑا تو اساقی نے اور بھی گہرا کر ملانی کا شانہ پکڑ لیا، اور اسے
 جھنجھوڑتے ہوئے ہلا۔ ”لو کتنے کبھی نہیں کیا ہوا ہے جیلڈ کو؟ صاف صاف بتاؤ؟“
 ملانی نے کہا: ”بے بی باغل ٹھیک ہے۔“

اور جب اساقی کو جیلڈ کی غیریت کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو اس کے دل میں
 دوسرا خیال آیا، اور اس نے فحش سے ملانی کی طرف دیکھ کر کہا: ”جیلڈ بے بی نہیں ہے؟“
 اس کی کمر بٹکس برس کی ہے۔“

ملانی نے کہا: ”میں اس کو اس وقت سے جانتا ہوں، جب وہ انیس برس
 کی تھی۔ اور باگل بے بی کی طرف بات کرتی تھی۔ میرے تو وہ ہمیشہ بے بار ہے گی؟“
 اساقی نے ہر چھانے تم پہلی بار اس سے کیسے ملے؟“

ملانی نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، اور اس کے دونوں پہلوؤں پر صبر چھپک

اس وقت اس پہلی نظر کے بارے میں اساقی کو ملانی کا چہرہ بڑا عجیب سا
 معلوم ہوا۔

یوں تو ہر چہرہ الگ ہوتا ہے، منفرد ہوتا ہے، چہرے والے کی شخصیت کا
 منظر ہوتا ہے، مگر اساقی کو ملانی کا چہرہ اس وقت بہت جلد عجیب، بہت ہی تنگ
 بہت ہی منفرد معلوم ہوا چہرہ صرف شخصیت کا منظر نہیں ہوتا، وہ حالات کا انبار ہوتا ہے
 اور موڈ کا مضمون اور خاص خاص موقعوں پر روح کی منزل کا پتہ بھی دیتا ہے۔ اساقی نے
 بہت عرصے سے ملانی کی طرف دیکھا، جیسے وہ اسے آج پہلی بار دیکھ رہا ہو۔ ”ستارہا چہرہ“
 پہلا رنگ کو جسے دشمنوں پر چھپک کے خفیہ سے نشان، موتی، ناگ، لہوں کے اوپر
 عجیب طرح سے اٹھی ہوئی، گہنی مہنوں کے اندر آنکھوں کی پکی پکی کیفیت کچھ عجیب سے

اسحاق نے آہستہ سے پلان کو جگ تپائی پر سنا خاکریزے رکھ دیا۔ پھر اس نے ایک سگرت ملکا یا ایک مٹائی کے نوخیز رکھا۔ اور سگرت ملکا تے ہوئے بولا۔ "قصیر تریلہ سے کس طرح کی محبت ہے؟ تم نے کبھی سوچا ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب یہ ہے کہ تم جمیلہ سے کس طرح کی محبت کرتے ہو؟ تم اسے ایک بھائی کی طرح پالتے ہو، یا ایک عاشق کی طرح؟ دونوں محبتوں میں بڑا فرق ہے۔"

سگرت چیتے چیتے مٹائی کے گھے میں چندا چڑھ گیا۔ کھانسنے کھانسنے بے دم ہو گیا۔ اسحاق نے اسے پھر پلانڈیا یا۔ جب اس کی سانس کی آمدورفت خشک ہو گئی اور جب وہ تھنڈا چڑا۔ تب بھی مٹائی نے اسحاق کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔

اسحاق کو اس سے طلق پڑ پڑا پی نہ ہوں۔ "میں تمہارے لئے ناشتے کا آرڈر دیدوں؟" اسحاق مولے سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں بیٹھو۔ مجھے گرم تے ایک بات کرنی ہے۔" مٹائی نے بچا یک بڑی جلی سے کہا۔ اور پھر ایک دم کچھ ہو گیا۔

اسحاق نے کہا۔ "قصیر جمیلہ نے یہاں گیرھا ہے؟"

"ہاں؟" مٹائی نے اس سے ٹھوس چلا تے ہوئے کہا۔ جمیلہ نے مجھے سب بتا دیا ہے! "بچے! "

"سب؟" اسحاق نے پوچھا۔

"ہاں سب کچھ! کیسے تم نے اس سے محبت کرنے کا کوٹھنل کیسے میری پہلی نے قصیر اٹھ کر دیا۔ کیسے تم نے اسے شرب چاکر اس کی عزت لینا چاہی۔ کیسے اس نے اپنے آپ کو بچایا۔ کیسے تم جو ماؤنگ میری ٹیر پلٹری میں اس کے گھر کے پڑ کو مٹے بھے اور وہ ہر بار قصیر ٹھکراتی رہی، آخر تم نے اس سے شادی کی انہی کی۔ مگر میری بے بی

زمانی اور اس نے قصیر وروانہ دکھایا کیسے تم نے اسے سرائے کی دھمکی دی۔ اور تم یہاں آ گئے۔ میری بے بی بڑی عدول ہے۔ اس نے مجھے سب بتا دیا۔ وہ میں چاہتی کہ تم مرو یا کوئی بھی مرے اس کے لئے۔ وہ تمہاری جان بچانا چاہتی ہے اس نے مجھے یہاں بھیجا ہے کہ میں قصیر یہاں آ کے بگھاؤں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم رائیڈ ہو کر ایک عورت کی عزت لو گئے۔ میں تمہاری بڑی عزت کرتا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا، میں ایک سانپ کو پاں رہا ہوں۔ بچے! "

"آپ نے مجھے نہیں بلا سڑا۔ اسحاق نے فحشے سے کہہ۔ میں آپ کی بے بی نہیں ہوں؟"

"میں نے تم کو شرب پلان کھانا کھلایا۔ تمہارا ایک خربوز عورت سے ٹھوکڑ کھن کرایا۔ اور تم نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا؟"

مٹائی پائل وشت زود ہو کر کھلی پہنی ٹکڑیوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسحاق کو نوں بیٹھنے سے کولنے لگا۔ وہ مولے سے اٹھ کھڑا ہوا اور کرتے میں بیٹھنے لگا، مگر اس کا فطر ٹپھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ بڑی تیزی سے مٹائی کی طرف ٹھکڑا اور اس کے کندھوں پر بڑی سختی سے اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر بولا۔ تم، موتی دام مٹائی بڑے الحق ہو کہو دے الحق، قصیر کیا یہ معلوم نہیں ہے کہ عورت کچھ آرام، نگہ، فرنگہ، دو پیسے پیسے کے علاوہ کچھ اور بھی چاہتی ہے، وہ جو تم نہ دے سکے، جو تم دینا چاہتے تھے، مگر نہ دے سکے۔ بیج ٹوف میں آج قصیر جتا ہاں کہ تم واصل ایک بھائی کی طرح نہیں ایک عاشق کی طرح اسے چاہتے ہو۔ مگر قصیر جنت میں نہیں لیتی۔ تجھے بدلہ تم نے کرنی تک عورتوں کو بند۔ ہوں چہ بیٹوں کا شرب کہ عورتوں کی طرح خریدنا اور اس طرح تم نے سچ سو ہلے یا کھو دے ہاں۔ دے عورتوں کی محبت کو خریدنا چاہا۔ مگر قصیر جنت نہ پڑی کہ تم اپنے آپ سے انکار کر رہے کہ تم اسے کتنا چاہتے ہو۔ ہر وہ تمہارے وہ بچے بیٹھتے ہے

اور مراد خدا ملے گا چلتا گیا اور اندر میں اندر بند ہو گیا اور تم سے باہر نہ لگا سکے۔ اور تم نے اپنے تخیل میں ایک صورت کے بجائے ایک بے بنیاد ایک بچہ ایک معصوم دیوی کی تصویر لکھ کر لی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قصاری بے بنیاد، قصاری جھیل ایک بے بنیاد نہیں ہے بچہ نہیں ہے۔ معصوم دیوی نہیں ہے۔ کلہاڑی نہیں ہے، وہ اس وقت بھی ایسی نہ تھی جب وہ انیس سال کی تھی، اور قصار سے پاس پہننے کے لئے آئی تھی، وہ اس رات ہی اسی نہ تھی، جس رات تم نے یہ افتخار اس سے کرایا۔ آج میں تم سے کہتا ہوں کہ وہ تم سے چھ سال تک جھوٹ بولی آئی ہے اور تم بھی چھ سال تک اپنے آپ سے جھوٹ بولتے آئے ہو۔ ۱۰ اپنے آپ کا قریب دیکھتے آئے ہو اس میں جھیل کا آنا تصور نہیں ہے، تم نے خود بارہ چھ سال سے اپنے آپ کو قریب دیکھ کر دکھا کر یہ قصاری تانکھوں سے اس قریب کا پردہ چاک کرتا ہوں، میں نو، میری زبان سے میں نو قصار ہی جو بیلہ سوگ کی دیوی نہیں ہے۔ میری موتی نامستانی کھنڈہ انجینئر میں میں نظر میں آج تم سے کہتا ہوں، قصاری بیلہ اتنی ہی پاک و صاف ہے جتنی وہ عورت جو ہر رات ایک نئے مرد کی آغوش میں سو جاتی ہے۔

ملانی نے پانی کا گلاب اٹھایا اور اسے زور سے اساقی پر کھینچا۔ ۱۰ اساقی ذرا گھوم گیا اور کافی کا گلاب دیا اسے گلاب کرک زور دیا دھننا کے سنگڑے نکالے ہوئے ہو گیا دھننا ایک کرسی کا ٹھکانا سے مارنے والا تھا کہ اساقی نے اسے پکڑ لیا۔ مگر ملانی دیر انداز وار سے پھینکے گا اور اس وقت تک اس نے اساقی کو پھینکا نہ دیا تھا، جب تک اساقی نے اس کے جھڑے پر زور سے ایک گونسہ نہ دیا۔ گونسہ گھبراہٹ میں ملانی سے زور سے پکڑا کہ اساقی کے بستر پر گرا اور گرے ہی اس کو بدن توڑ پھینکے گا۔ چہرہ نہ تھا، اس نے وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپایا اور سسک سسک کر رونے لگا۔ وہ اس طرح رو رہا جیسے اس کی بدن کا بندھن توڑ گیا ہو، وہ اس طرح گڑا کہ جیسے کسی جانور کے گلے پر تھاب سے چھری کھدی ہو، وہ اس طرح جھٹکتا جیسے اس کے ریح آسمان پر پانا ہو اور کافی کے گلاب کی طرح ٹوٹ کر پڑی ہو۔

کرہی ہو گیا ہو۔

اساقی نے اسے پکڑ لیا، اس نے اسے روئے دیا۔ وہ زمین پر لٹک کر کافی کے ٹھکانے پر پڑا اور انھیں لٹک کر کے اس نے ایک دھال میں بند کر دیا۔ چھری نے اپنے ہاتھ میں ہانکا اپنے ہاتھ دھوئے اپنا منہ صاف کیا پھر وہ اس ڈالگ دم میں آگڑ سوئے پر پڑ کر سگرت پھینکے گا۔

ملانی اب تک اس کے بستر پر لاؤ بھاڑا تھا۔ مگر اس کی سسکیاں بند ہو چکی تھیں۔ اساقی بہت سے اپنے سوئے سے اٹھا اور اپنے بستر پر جا کر بیٹھ گیا۔ اور ملانی کی خوش پرواہی بھرنے لگا۔ دھیرے دھیرے ملانی نے کروٹ لی اور سیدھا بکھر کر پڑ گیا، اساقی نے اپنا انکیاس کے سر کے نیچے رک دیا۔ ملانی اب سسک نہیں رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں سے اب تک تنکھال رہے تھے۔

ملانی نے لیٹے لیٹے آنکھیں بند کئے ہوئے اس سے کہا: یہ رات کس نے مج سے شادی کرنے سے انکار کر دیا؟

بڑی دیر تک خاموشی رہی آخر اساقی بولا۔

”انکار کیا اور تم بھی؟“

وہ بولی: تم مسلمان نہیں ہو، اور تم میری نہیں ہو اور تم غاصب تانکھوں میں ہو۔

اس نے مجھے تم سے محبت نہیں ہو سکتی؟

”تو۔۔۔ اساقی پر پھینکے گا۔“ تو۔۔۔ بہت میں کیا یہ ضروری ہے کہ

آدمی مسلمان ہو، وہ ہندو ہو، سکھ ہو، وہ قصیر ہو، پانچنی ہو، آری سماجی ہو، یا گنیر فتنی ہو۔

اس کی ایک کہ ہو، چار دو سو تلواد ہو، چار لاکھ سے جتن تک ہو، اور سیدھا سیدھا سا

سے کم چھڑا نہ ہو۔

پھر تو یہ محبت نہ ہوئی، اساقی سوچنے لگا۔ یہ تو کینٹ کی پوری ہوئی، ملانی لان

اس کا بھی کوئی نہ کہہ سکتا ہے۔
اور اس سے :

آج اس کی زندگی کا آخری دن تھا۔ اس نے اس کے معلوم نہ ہو کر وقت کب گزرا، کیسے گزرا، آج اس نے ناشتہ نہیں کیا۔ کھانا بھی نہ کھا یا اسے کچھ یاد ہی نہ رہا، وہ اپنے خیالوں میں ہی نہ کھو رہا اور نہ ہرگز شہ چڑھا، اور کچھ سوچتا رہا۔ سوچتا رہا کہ جب کوئی کچھ چھوٹے میں سامنے بیٹھ جھکے تو وہ ایک آرام کی ٹوکری اس پر دناز ہو گیا۔ آسمان پر بادلوں گھبراہٹ تھے، اور اس کے معلوم نہ تھا وہ صبح سا تھا، اپنے خیالوں میں مستغرق تھا اور اس کی تصویر دنیا کی فکر کی طرح اس کے ذہن میں چلتی جا رہی تھی۔

بارش کی ایک بوند اس کے پاؤں پر چری۔ ایک بوند، پھر دوسری، پھر تیسری، پھر چوتھی، پھر پندرہویں، پھر پندرہویں، اس کے نہیں سراپت کرتی تھیں۔ پتلے اس کے جوتے بھیگے، پھر قریب بھیگی، پھر پتلیں بھیگی، آخر میں اس کے ہاتھ میں بدن سگت بھی بھیگ کر چھو گیا، اور آخر اسحاق کو ایسا غصوں پر آیا جیسے اس کے جسم میں ہزاروں ندی نالے اور دیا بہہ رہے ہیں۔ اس کے دل کی جانب ڈبہ ڈبہ رہے ہیں۔ پھر وہاں سے یہ پانی سے بھر چکا اور تازہ دم ہو کر ہزاروں رنگوں نسوں اور شریاٹوں میں سے گزرا ہوا جسم کے گوشے گوشے میں بہنے لے رہا ہے۔ اور جب وہ بارش چھٹنے کے بعد آرام کر رہی ہے آٹھا تو اسے ایسا غصوں پر آیا جیسے بارش نے ہزاروں سال کے کپڑے تاسور منڈ کر دیئے ہیں اور دل کی پھر پھر پانی سے اس قدر سبز و خضر و شاداب ہو چکی ہے کہ اب وہ لاش لکھنوں نے زخموں کی کڑیوں کو جہنم قہر سے کٹی سب سے بیکار اسے خیال آیا کہ آج ضرورتی کے میدان میں جا رہا ہے۔

اس خیال کے آنے ہی وہ اپنی کونج سے نکل کر جاگا، انہی گھٹے پاؤں میں جاگ گیا۔ اس وقت بارش چھٹ چکی تھی اور بادلوں آسمان پر چھٹ کر ٹپ ٹپ ٹپ ٹپ جا رہے تھے۔

ہزاروں کے نو ٹھکر، جھونکے اس کے گھٹے بدن کو اس کے کپڑوں کو کھارہے تھے اور وہ جہاں جا رہا تھا۔

ضرورتی کے میدان کے قریب ایک پتلے پتلی کر وہ لگا اور بیٹھ دیکھتا تھا۔ نیچے ترسوتی کے میدان میں کوئی نہ تھا۔ پل کے پچھے ندی بہہ رہی تھی۔ پل کے پار کدو کا بیڑا کھڑا کدو کے بیڑے کے ایک جانب سے مرو کی آ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اپنی دہائی میں سنبھالتے ہوئے کدو کے بیڑے کے دوسری جانب سے واسطی آ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ سرخٹا ہے پھر بیکار دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا۔ پھر دونوں نے مناجات کس کر اور دیکھا مگر وہاں تو ہی دونوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ پھر ایک ہی دونوں کے قدم تیز ہوتے گئے، آخری فصلا انھوں نے تقریباً دوڑتے ہوئے لے کیا۔ اور جب وہ دونوں کدو کے بیڑے کے پچھے پلے تو بے اختیار ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے۔ اور بیکار ایک پتلے پر سے دیکھنے والے اسحاق نے غصوں پر آیا جیسے وہ جو پتلے آدھا تھا اور دوسرا تھا آٹھ پلے ہو گیا۔ وہ جس کا ہوا نہیں تھا جس کی فکر نہیں تھی اور ایک کدو نہیں تھا۔ وہاں واسطی کو پکار کر بل پڑا اور ایک ٹپ بند چست سے اسحاق کا دل مر رہا ہو گیا۔ اس نے غصوں کر اپنے پاروں طرف پتلے پر سے دیکھا۔ اب ایک ایک کر کے داہیں، گھاٹیوں، ٹوٹاؤں اور ٹیلوں پر سے کدو آ رہے تھے کسی کے ہاتھ میں مل تھا، ٹوکری دھاتی پکڑے تھے کوئی اپنا بچا اٹھائے تھا ٹوکری، چینی بوس سے بائیں کرتا آ رہا تھا۔ عورتوں کی بائیں دھان کے ٹوکروں سے غصوں نہیں اور وہ زمین کی درختی آسمان کی رحمت اور زندگی کے تقدس کا گیت گار رہی تھیں۔ اور پچھے تیزی سے دوڑتے آجھلنے کودتے چلا گئے ہوئے غول کی دھو میں چلتے ہوئے چلتے کی طرف ڈبہ رہے تھے۔

وہ مرو کی واسطی کی گلاب اور دوسرا غصوں کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ "صرف زندگی مقدس ہے۔ اس کھلے آسمان کے تلے اس دھرتی پر صرف زندگی مقدس ہے۔ زندگی ہے

تو جنت ہے، زندگی ہے، کو کوئی ملک ہے، زندگی ہے، کو کوئی قوم ہے۔ کوئی مذہب ہے اور کوئی سماج ہے۔ اس کے چہرے ہیں، شرے اور بنگلے ہیں۔ اور زندگی نہیں ہے، کو کوئی کچہ نہیں ہے۔ اس لئے ہم اس دھرتی پر اس زندگی کی جیشہ مخالفت کریں گے۔ ہزاروں گھنٹوں سے زندگی سے محبت کی سدا بہت چڑی۔ اس نے تیشہ آسمان کو گونجا دیا۔ بیکو ایک قریب کے ایک ٹیلے پر دو رنگ و دو رنگ ہلانی جہر نو دار ہوئے۔ ایک مرد اور ایک عورت۔ جو کے سوچے، اندا نکھوں، اور خوشی کی جڑیں نکھو کر کھانے والے۔ وہ ملحق پر ایک سیاہ لکڑی کی کھڑے تھے اور محبت سے اس لکڑی کو نکلتے تھے۔ انھیں دیکھ کر سماج کو خیال آیا۔ بے زندہ رہنا ہو گا۔ صرف اپنی اپنی ہزار سالہ جنڈیہ کو بچانے کے لئے نہیں، اپنی دس ہزار سالہ بربریت کو مٹانے کے لئے بھی۔ پھر سماج کے دل میں ایسا کے طور کے ماں باپ کا خیال آیا، اور اس نے سوچا مجھے زندہ رہنا ہو گا، اس ایک تربی کو واپس لانے کے لئے جو ابھی ہوس کے استیشن پر ہی نہیں۔ پھر اس کے دل میں حق کی بے غرض محبت کا خیال آیا اور اس نے سوچا اس کھلے آسمان تلے اس بلند محبت کی کھراب تلے، خود کشی کن محبت کی سب سے بڑی توجہ ہو گی۔

ن

● کرشن چندر میں سب سے مقدم چیز ان کا سفوف نقطہ نظر ہے۔ وہ سب سے پہلے ہی کرشن چندر ہے اور سب سے آخر میں کرشن چندر اس نے مخصوص طریقہ نقطہ نظر کو اپنے آؤ پر خاص نہیں بننے دیا۔ نہ تو پر ولایت کو، نہ جنس کو، نہ ولایت کو، بمع ترقی پسندی کو نہیں پس۔ وہ زندگی کو کھلے کھلے کسی مخصوص رنگ کے شیشوں کی مدد میں لیتا، اس کو اپنی آنکھوں پر پورا لیتا ہے۔ اس کا فسانہ زندگی کا ایک ذاتی اور بلا واسطہ تاثر ہوتا ہے۔

— عفتہ حسنہ حسنہ —

● "ن" اور وہ پہلا اظہار کی اہمیت اتنی ہی ہے جتنی سواد اور موضوعاتی کی۔ نکلا اس میں تو ایسا جاہل و جاہل ہے کہ کبھی کبھی یہ ولایت کی عظمت کا پردہ چھڑا دیں جانتا ہے۔ اور زبان عربیان کے رسیا اسی کی چند گزشتہ کی مست ہو جاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ نہ تو تنہا اسلوب پر فن کی عمارت کھڑی کی جا سکتی ہے نہ احساس کو نظر انداز کر کے کرشن چندر فسانہ نویسی کا اس ہم ترین تجربہ صرف واقعہ ہیں بلا اس کو کھینچ کر دیکھتے ہیں۔

— مستعد احتشام حسین —

● کرشن چندر اندھے سراسر شاعر تھا، اس نے اپنے اساتذہ کی خاموشی کی شمع جھانے کی کوشش کی مگر اس میں ناکام رہا، اور آخر میں جو ان کا کام تھا اس میں بھی نکتہ اپنا نیت اور توجہ سے اس اساتذہ کی خاموشی کو

● "وہ اپنے خوبصورت انداز بیان کے خود ہی نمونہ اور خود ہی قائم ہیں، ان کے شامل کا مگر غریب کیا جا تو صحت برتی ہے، کاش میں ایسے دن صراحت سے متعلق ہیں جو قوماں ایک شکر کی جڑ سے تھیں، اس شاعرانہ مزاج اور حقیقت جڑاں کیلئے یا منصرف ہو کر ان کے فن میں نہ رہ جائیں گے، اور ان وہ منصرف ہو جاتے تو کیا کہہ سکتے ہیں، لیکن کرشن چندر کا اسلوب بیان میں وہ نہ صرف اپنے ہمسایوں کی طرح سب سے نہیں بلکہ ایک شکر کے ساتھ کھڑے بیٹھے ہیں۔ کرشن چندر قدت سے ایک شاعر کا دل کی ایک فلسفی کا دماغ اور ایک مجاہد کا جگر ہے کہ پیدا ہوئے تھے۔ یہ نہ صرف اشتراکیت کی خوش متوجہ تھی کہ اسے کرشن چندر یا سب سے بڑا اور سب سے بڑا اس کے کشاکش اور تنہا دھن کی رائے اور دھن کی رائے کے ساتھ پیش کیا کہ وہ مگر شاعر کی رہا ہی اور شاعرانہ سے بھی زیادہ دل آویز نظر آئے گا۔"

— کنہیا لال کیلو —